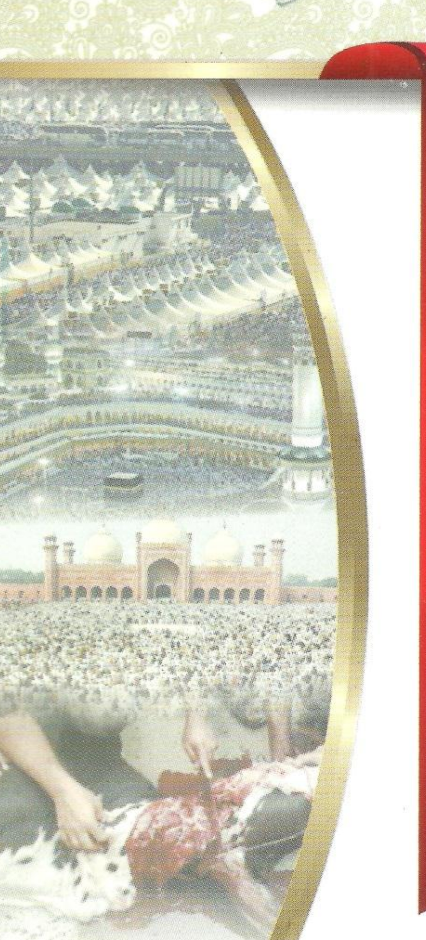
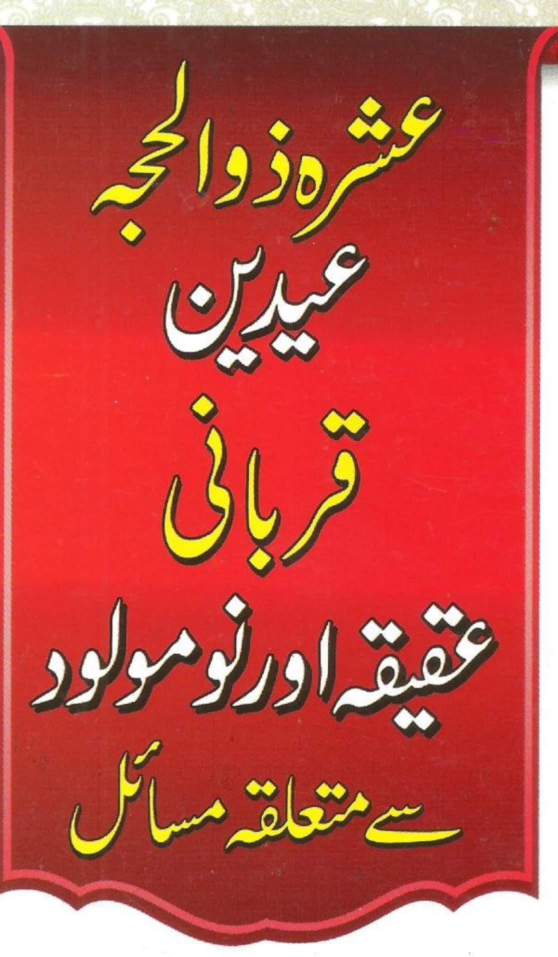
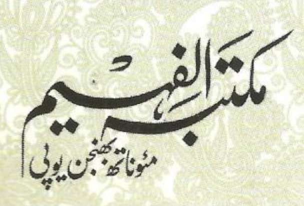


پانچ اہم دینی مسائل

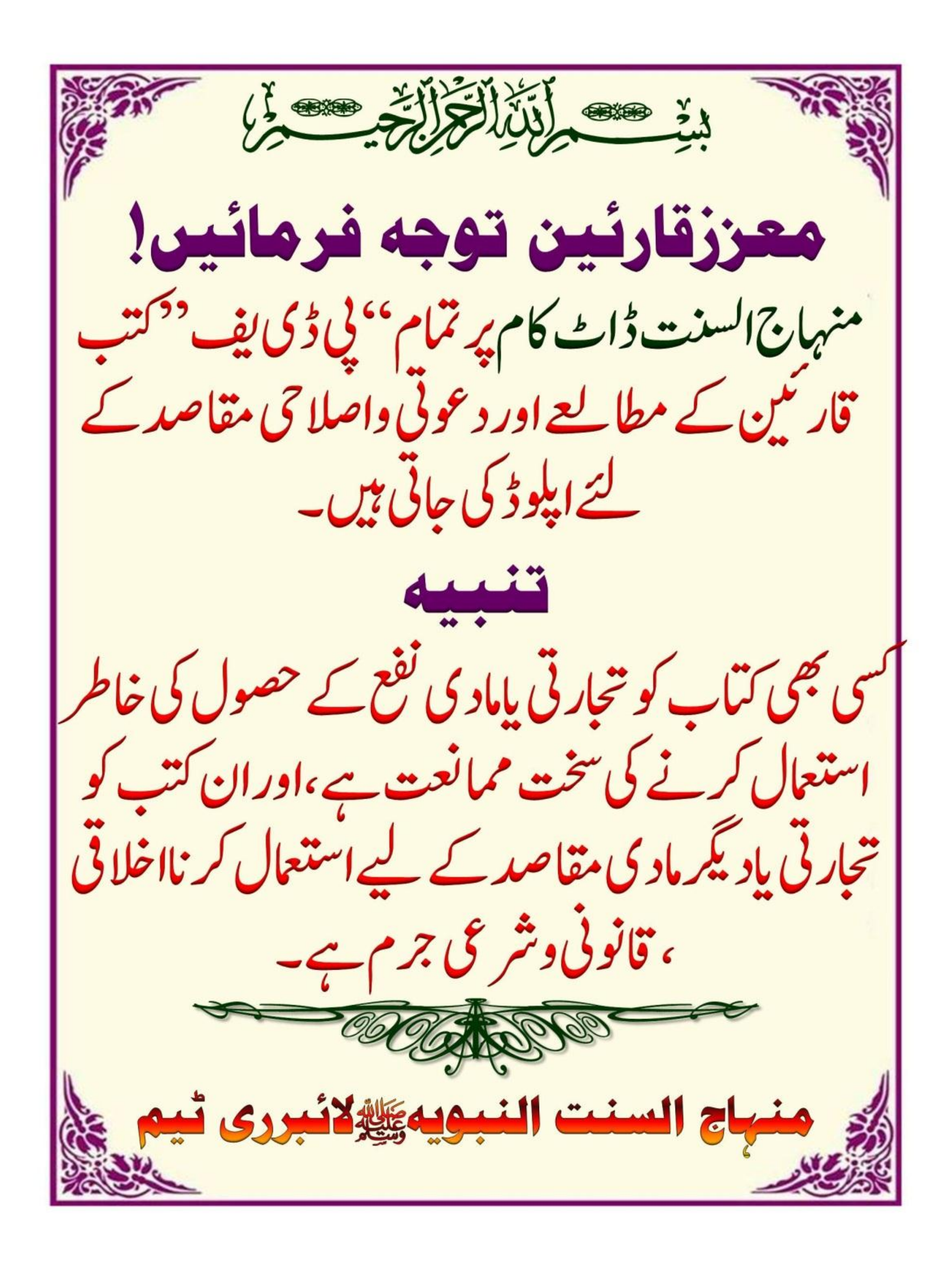


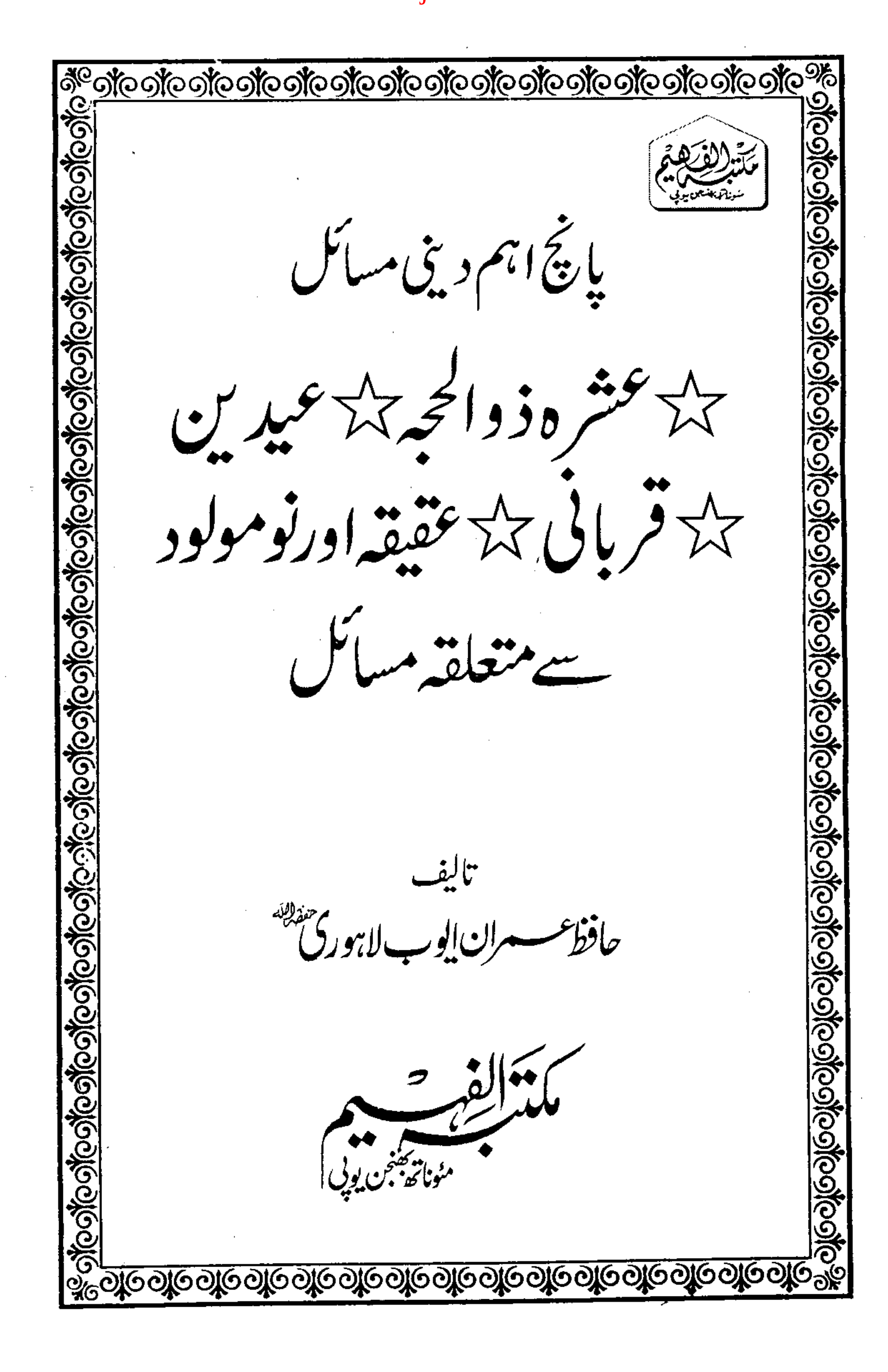


عشرہ ذوالحجہ
عیدین
قربانی
عقیقہ اور نومولود
سے متعلقہ مسائل






بسم اللہ الرحمن الرحیم
معزز قارئین توجہ فرمائیں!
منہاج السنت ڈاٹ کام پر تمام "پی ڈی یف" کتب
قارئین کے مطالعے اور دعوتی و اصلاحی مقاصد کے
لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔
تنبیہ
کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر
استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو
تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی
، قانونی و شرعی جرم ہے۔
منہاج السنت النبویہ ﷺ لائبریری ٹیم



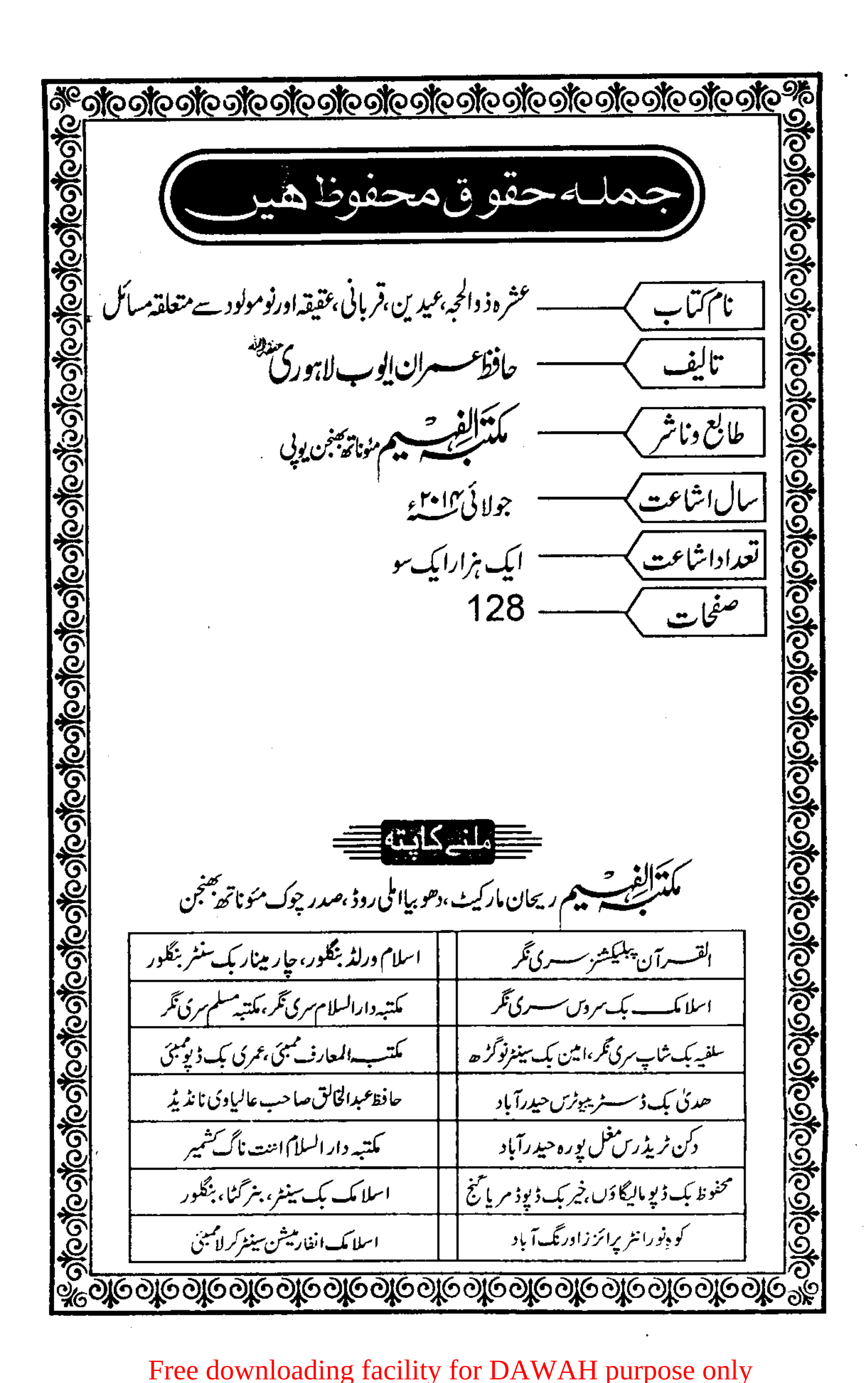
پانچ اہم دینی مسائل

☆ عشرہ ذوالحجہ ☆ عیدین
☆ قربانی ☆ عقیقہ اور نومولود
سے متعلقہ مسائل

تالیف

حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ

مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی



نام کتاب — عشرہ ذوالحجہ، عیدین، قربانی، عقیقہ اور نومولود سے متعلقہ مسائل

تالیف — حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ

طابع وناشر — مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

سال اشاعت — جولائی ۲۰۱۴ء

تعداد اشاعت — ایک ہزار ایک سو

صفحات — 128

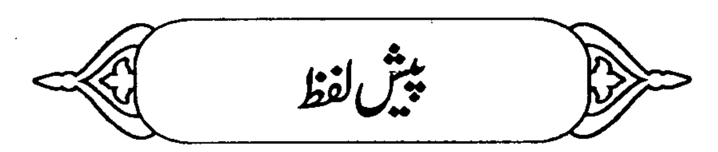
ملنے کا پتہ

مکتبۃ الفہیم ریحان مارکیٹ، ڈھوبیا املی روڈ، صدر چوک مئوناتھ بھنجن

القرآن پبلیکیشنز سری نگر	اسلام ورلڈ بنگلور، چار مینار بک سنٹر بنگلور
اسلامک بک سروس سری نگر	مکتبہ دارالسلام سری نگر، مکتبہ مسلم سری نگر
سلفیہ بک شاپ سری نگر، امین بک سینٹر نوگڑھ	مکتبۃ المعارف ممبئی، عمری بک ڈپو ممبئی
ھدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس حیدرآباد	حافظ عبدالخالق صاحب عالیاوی ناندیڑ
دکن ٹریڈرس مغل پورہ حیدرآباد	مکتبہ دارالسلام اننت ناگ کشمیر
محفوظ بک ڈپو مالیگاؤں، خیر بک ڈپو ڈمریا گنج	اسلامک بک سینٹر، بنرگٹا، بنگلور
کوہ نور انٹر پرائزز اورنگ آباد	اسلامک انفارمیشن سینٹر کرلا ممبئی



بسم اللہ الرحمن الرحیم



پیش لفظ

اسلام مکمل ضابطہ حیات ہونے کی وجہ سے ہر گوشۂ زندگی میں ہماری کامیاب رہنمائی کرتا ہے۔ یقیناً اسلام کی صورت میں خالق کائنات نے اپنی تمام تر مخلوق کے لیے ایسے سنہری اصول مرتب فرما کر نازل کیے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول تو ہے ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ خود انسان کا بھی نہ صرف اخروی فائدہ ہے بلکہ دنیاوی کامیابی کا راز بھی انہی میں پنہاں ہے۔ یہ سب جاننے کے باوجود ہر چند کہ ہمیں اسلامی تعلیمات سیکھنے کے ہزار ہا مواقع بھی میسر ہوتے ہیں لیکن ہم دور اندیشی سے کام نہیں لیتے بلکہ جز وقتی آسائش وسکون کے لیے ایسے تمام مواقع مسترد کر دیتے ہیں اور جہالت وکم علمی کے باعث محض رسمی ورواجی مسلمان بن کر زمانے کی غلط روش کے مطابق ہی چلتے رہتے ہیں۔

ہمیں دنیاوی معاملات کا تو بہت علم ہے لیکن ہم دین کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ عیدین یا قربانی کے مسائل ہی لے لیجیے۔ ہمیں اتنا تو علم ہے کہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ دو خوشی کے دن ہیں' ان میں مختلف قسم کے پکوان تیار کرنا ہیں' رشتہ داروں اور دوست احباب سے ملاقاتیں کرنا ہیں' سینما ہالز کو آباد کرنا ہے اور کرکٹ کھیلنا ہے' لیکن یہ علم نہیں کہ عید کی نماز بھی ادا کرنی ہے یا نہیں' اگر نماز عید رہ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اسے ادا کرنے کا سنت طریقہ کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح قربانی کے متعلق ہمیں اتنا تو علم ہے کہ قربانی کے لیے جانور خریدنا ہے لیکن یہ علم نہیں کہ قربانی کے لیے کیسا جانور ذبح کرنا چاہیے' کن جانوروں کی قربانی قبول نہیں ہوتی اور قربانی کی کیا شرائط ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

نیز اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اولاد جیسی بے مثال نعمت سے نوازے تو ہمیں سالگرہ کرنا تو ہر سال یاد ہوتا ہے لیکن پیدائش کے ساتویں روز نومولود بچے کا عقیقہ کرنا' اس کا سر منڈا کر بالوں

کے برابر چاندی صدقہ کرنا ہمیں یکسر یاد نہیں رہتا حالانکہ یہ سب افعال اسلام کا حصہ ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہم پر صادق آ چکا ہے جو اس نے جاہلوں کے متعلق قرآن میں نقل فرمایا ہے۔ فرمایا:

''اللہ کا وعدہ ہے' اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی مخالفت نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ وہ تو (صرف) دنیوی زندگی کے ظاہر کو (ہی) جانتے ہیں اور آخرت سے تو بالکل ہی بے خبر ہیں۔''

اسی صورتحال کے پیش نظر راقم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ اس قسم کے وہ چند مسائل جن سے ہر مسلمان کو واسطہ پڑتا ہے یکجا کر دیئے جائیں۔ یہ کتاب اسی کاوش کی آئینہ دار ہے۔

اس کتاب میں مسائل کے استنباط کے لیے صرف صحیح احادیث کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ ہر حدیث کے بعد اس کا حوالہ بھی درج کیا گیا ہے تاکہ اگر کوئی مزید تحقیق کے لیے اصل مآخذ کی طرف رجوع کرنا چاہے تو مشکل پیش نہ آئے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دیگر کتب کی احادیث کے متعلق صحیح یا ضعیف ہونے کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ مسائل کی تائید اور قارئین کے مزید استفادہ کی غرض سے مختلف فقہا و مفتیانِ کے فتاویٰ جات بھی نقل کیے گئے ہیں جن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ' امام ابن قیم' امام شوکانی' حافظ ابن حجر' امام نووی' امام ابن قدامہ' علامہ عبدالرحمن مبارکپوری' شیخ ابن باز' شیخ ابن عثیمین' شیخ ابن جبرین' سعودی مجلس افتاء اور بعض دیگر علما بھی شامل ہیں۔ اُردو عبارت نہایت سلیس اور آسان رکھی گئی ہے تاکہ قارئین کو مسائل سمجھنے میں آسانی رہے۔

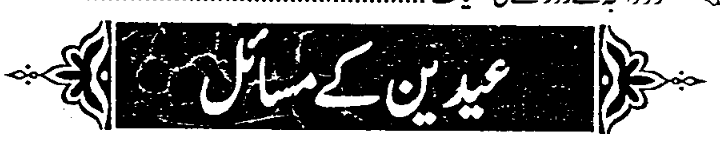
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو تمام مسلمانوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائے اور راقم اور اس کے اہل وعیال کے لیے دنیاوی واخروی نجات کا سبب بنائے۔ (آمین)

کتبہ
حافظ عمران ایوب لاہوری
بتاریخ: 1 جنوری 2004ء ، 8 ذیقعد 1424ھ
فون: 0300-4206199
ای میل: hfzimran_ayub@yahoo.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرس

عشرہ ذوالحجہ کے مسائل



عیدین کے مسائل

قربانی کے مسائل

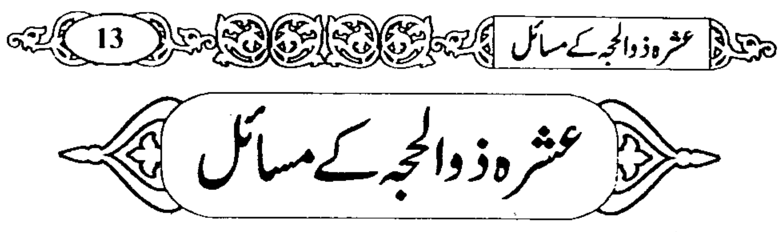
عقیقہ کے مسائل

نومولود سے متعلقہ مسائل

ذبح کا اسلامی طریقہ

شرعی، سائنسی اور طبی بصائر کی روشنی میں

از ڈاکٹر شفیق الرحمٰن کیلانی حفظہ اللہ



عشرہ ذوالحجہ کا معنی ومفہوم:

''عشرہ'' دس کو کہتے ہیں اور ذوالحجہ اسلامی مہینوں میں سے آخری مہینے کا نام ہے اور چار حُرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ عشرہ ذوالحجہ سے مراد ماہ ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں جن میں سے دسواں دن عیدالاضحیٰ کا ہوتا ہے۔

عشرہ ذوالحجہ کی فضیلت:

ان دس ایام کی بہت زیادہ فضیلت ہے جیسا کہ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَالْفَجْرِ O وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴾ [الفجر: ١-٢] ''قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی۔''

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیرؒ رقمطراز ہیں کہ ''اور دس راتوں سے مراد عشرہ ذوالحجہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ، مجاہدؒ اور دیگر متعدد سلف وخلف اسی کے قائل ہیں۔ (١) اسی آیت کی تفسیر میں امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ ''اور دس راتوں سے مراد عشرہ ذوالحجہ کی دس راتیں ہیں۔''(٢)

اللہ تعالیٰ کا ان دس راتوں کی قسم کھانا یقیناً عشرہ ذوالحجہ کی فضیلت کے لیے کافی ہے۔

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان دنوں یعنی عشرہ ذوالحجہ کے دنوں کے نیک عمل سے زیادہ کسی دن کے عمل میں فضیلت نہیں۔'' لوگوں نے پوچھا اور جہاد میں بھی نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں جہاد میں بھی نہیں سوائے اس شخص کے جو اپنی جان ومال خطرہ میں ڈال کر نکلا اور ان میں سے کچھ بھی واپس نہ لایا (سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر دیا)۔''(٣)

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی عمل اس قدر پُرعظمت اور پسندیدہ نہیں جتنا وہ عمل ہے جو ان دس دنوں میں کیا جائے۔ لہٰذا تم

---

(١) [تفسیر ابن کثیر (٤٤٩/٦)]

(٢) [تفسیر فتح القدیر (٥٢٩/٥)]

(٣) [بخاری (٩٦٩) ترمذی (٧٥٧) ابن ماجة (١٧٢٧) أحمد (٢٢٤/١)]

ان دنوں میں کثرت سے لا الٰہ الا اللہ' اللہ اکبر اور الحمد للہ کہو۔"(۱)

فضیلت عشرہ ذوالحجہ کی وجوہات:

غالباً اس فضیلت کی وجوہات میں سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان دنوں میں اسلام کا ایک اہم رکن حج ادا کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے عشرہ ذوالحجہ کی فضیلت کا سبب ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ "عشرہ ذوالحجہ کے امتیاز کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں میں (تمام) بنیادی عبادات جمع ہوتی ہیں اور وہ نماز' روزہ' صدقہ اور حج ہیں اور ان (دنوں) کے علاوہ کسی اور دن میں جمع نہیں ہوتیں۔"(۲) نیز ان دنوں کی امتیازی شان کا سبب یہ بھی ہے کہ ان میں نو ذوالحجہ یعنی یوم عرفہ کا روزہ ہے جو دو سال (ایک گزشتہ اور ایک آئندہ سال) کے گناہوں کی بخشش کا باعث بنتا ہے۔

مزید برآں رسول اللہ ﷺ سے یوم النحر یعنی عیدالاضحیٰ کے پہلے دن کی بطورِ خاص فضیلت ثابت ہے جو کہ انہی دس ایام میں سے آخری دن ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا" بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنوں میں سب سے عظیم دن یوم النحر (یعنی عید کا پہلا دن) ہے پھر یوم القر (یعنی دوسرا دن) ہے۔"(۳)

اگر چہ علماء نے ان دس دنوں کی فضیلت کی مذکورہ تمام توجیہات بیان کی ہیں لیکن زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ اس فضیلت کی اصل وجہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

کیا عشرہ ذوالحجہ کے اعمال جہاد سے افضل ہیں؟:

صحیح بخاری میں عشرہ ذوالحجہ کی فضیلت والی حدیث میں جو یہ مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا جہاد بھی ان دس دنوں کے اعمال سے افضل نہیں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ﴾ "اور جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں ہے۔"

بعض لوگوں نے اس سے یہ مفہوم اخذ کر لیا ہے کہ ان دس دنوں میں کیا گیا کوئی بھی نیک عمل دوسرے دنوں کے جہاد سے افضل ہے مثلاً ان دنوں کے نوافل' ذکر و اذکار یا صدقہ و خیرات وغیرہ دوسرے دنوں کے جہاد و قتال سے افضل ہیں اس لیے انہی دنوں میں زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ سرانجام دے کر جہاد سے بھی زیادہ فضیلت حاصل کی جاسکتی ہے۔

---

(۱) [احمد (۷۵/۳) مسند عبد بن حمید (۸۰۷)]

(۲) [فتح الباری (۴۶۰/۲)]

(۳) [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۱۷۶۵) کتاب المناسك]

حالانکہ اس حدیث کا مطلب یوں نہیں بلکہ یہ ہے کہ ہر عمل کا اسی عمل کے ساتھ مقابلہ کیا جائے گا نہ کہ کسی بھی عمل کا کسی دوسرے عمل کے ساتھ۔ یعنی ان دنوں کے جہاد کا دوسرے دنوں کے جہاد سے مقابلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ان دنوں کا جہاد دوسرے دنوں کے جہاد سے افضل ہے' اسی طرح ان دنوں کے اذکار دوسرے دنوں کے اذکار سے افضل ہیں وغیرہ وغیرہ۔

گزشتہ بحث سے معلوم ہوا کہ عشرہ ذوالحجہ میں کیا گیا کوئی بھی صالح عمل دوسرے دنوں کے جہاد سے افضل نہیں بلکہ ان دس دنوں کا جہاد ہی دوسرے دنوں کے جہاد سے افضل ہو سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

کیا عشرہ ذوالحجہ کے روزے رمضان کے روزوں سے افضل ہیں؟:

اسی حدیث سے یہ بھی اشکال پیدا ہوتا ہے کہ عشرہ ذوالحجہ میں رکھے گئے روزے رمضان کے روزوں سے بھی افضل ہیں کیونکہ اس حدیث میں ان دنوں کے نیک اعمال کو باقی تمام دنوں کے نیک اعمال پر فضیلت دی گئی ہے اور باقی دنوں میں ماہ رمضان بھی شامل ہے۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ ان دس دنوں میں رکھے جانے والے روزے نفلی ہی ہیں کیونکہ ان میں کوئی روزے فرض نہیں کیے گئے بلکہ فرض روزے صرف رمضان کے ہیں۔ اگرچہ احادیث میں نوافل کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے جیسا کہ ایک حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور میرا بندہ نفلی عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے' اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے' اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے' اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں' اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ کا طالب ہوتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں۔''(۱)

لیکن نوافل کسی صورت میں بھی فرائض سے افضل نہیں ہو سکتے جیسا کہ اسی حدیث میں ہے کہ ''اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے مجھے اور کوئی عبادت اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔''

اس مؤقف کی مزید تائید اس اصولی قاعدے سے بھی ہوتی ہے:

---

(۱) [بخاری (۶۵۰۲) کتاب الرقاق : باب التواضع]

﴿ اَلْفَرْضُ أَفْضَلُ مِنَ النَّفْلِ ﴾ ''فرض نفل سے افضل ہے۔''(۱)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عشرہ ذوالحجہ کے روزے نفلی ہیں اور رمضان کے فرض اور فرض ہمیشہ نفل سے افضل ہوتا ہے لہٰذا رمضان کے روزے ان دنوں کے روزوں سے افضل ہیں:

عشرہ ذوالحجہ میں کوشش وجستجو سے عبادت کرنا:

عشرہ ذوالحجہ میں صاحب حیثیت لوگ تو حج کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں اور اس عظیم فریضۂ اسلام کی ادائیگی سے بے پناہ اجر حاصل کر کے لوٹتے ہیں لیکن غرباء حضرات اس فریضہ کی طاقت نہ ہونے کے باعث اجر سے محروم رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے ان دس دنوں کے اعمال کو بہت زیادہ افضل قرار دے دیا تاکہ یہ بھی زیادہ سے زیادہ نیکیاں حاصل کر سکیں۔

اس لیے حج کے لیے نہ جانے والے لوگوں کو چاہیے کہ ان دنوں میں خصوصی عبادات کا اہتمام کریں' نوافل ادا کریں' روزے رکھیں' کثرت سے اذکار و دعائیں کریں' صدقہ و خیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں' جہاد کے عمل کو مزید تیز کریں اور جو بھی نیکی کا کام کر سکیں ضرور کریں۔ سلف صالحین کا بھی یہی طریقہ کار تھا جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ''حضرت سعید بن جبیرؒ جب عشرہ ذوالحجہ شروع ہو جاتا تو خوب سعی و جدوجہد سے اعمال صالحہ بجا لاتے۔''(۲)

عشرہ ذوالحجہ میں تکبیرات کہنا:

ان دنوں میں جہاں دیگر عبادات کا اہتمام کرنا چاہیے وہاں بالخصوص کثرت سے تکبیریں بھی کہنی چاہییں اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ ﴾ [الحج : ۲۸] ''اور معلوم دنوں میں اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرو۔''

امام بخاریؒ رقمطراز ہیں کہ ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ (اس آیت) ''اور اللہ تعالیٰ کا ذکر معلوم دنوں میں کرو'' میں ایام معلومات سے مراد ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔''(۳)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی عمل اس قدر پر عظمت اور پسندیدہ نہیں' جتنا وہ عمل ہے جو ان دس دنوں میں کیا جائے۔ لہٰذا تم

---

(۱) [القواعد الفقهية للدكتور يعقوب بن عبدالوهاب الباحسين]

(۲) [دارمی (۱۷۸۱) الترغيب والترهيب (۱۹۸/۲)]

(۳) [بخاری (قبل الحديث/ ۹۶۹) كتاب العيدين : باب فضل العمل فی أيام التشريق]

ان دنوں میں کثرت سے لا الٰہ الا اللہ' اللہ اکبر اور الحمد للہ کہو۔"(۱)

صحابہ کا معمول:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی کہ جب بھی کسی اجر وثواب کے کام کا علم ہوتا تو بلا تامل اس پر عمل کے لیے کمر بستہ ہو جاتے۔ مذکورہ روایات کے مطابق صحابہ ان دس دنوں میں با آواز بلند تکبیرات کہا کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان دس دنوں میں بازار کی طرف نکل جاتے اور تکبیریں کہتے اور لوگ بھی ان بزرگوں کی تکبیر سن کر تکبیریں کہتے۔"(۲)

قربانی کی نیت ہو تو عشرہ ذوالحجہ میں بال نہ کاٹنا:

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بال اور ناخن کاٹنے سے رک جائے۔"(۳)

نو ذوالحجہ کے روزے کی فضیلت:

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوم عرفہ (نو ذوالحجہ) کے روزے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ وَالْبَاقِيَةَ ﴾ گزشتہ اور آئندہ سال کے گناہ مٹا دیتا ہے۔"(۴)

واضح رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ان لوگوں کے لیے ہے جو حج کے لیے روانہ نہیں ہوئے بلکہ اپنے اپنے علاقوں میں ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ میں روزہ افطار کر لیا۔ (اس طرح کہ) حضرت اُم فضل رضی اللہ عنہا نے آپ کی طرف دودھ بھیجا تو آپ نے پی لیا۔"(۵) ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مقام عرفہ میں عرفہ کے دن روزہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا آپ نے اس دن کا روزہ نہ رکھا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی (حج کیا) انہوں نے بھی یہ

---

(۱) [احمد (۷۵/۲) مسند عبد بن حمید (۸۰۷)]

(۲) [بخاری (قبل الحدیث ۹۶۹) کتاب العیدین : باب فضل العمل فی أیام التشریق]

(۳) [مسلم (۳۶۵۵) کتاب الأضاحی : باب نہی من دخل علیه ...... ' ابن ماجة (۳۱۴۹)]

(۴) [مسلم (۱۱۶۲) کتاب الصیام : باب استحباب ...... صوم یوم عرفة]

(۵) [صحیح : صحیح ترمذی ' ترمذی (۷۵۰) کتاب الصوم]

روزہ نہ رکھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی (حج کیا) انہوں نے بھی یہ روزہ نہ رکھا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی (حج کیا) انہوں نے بھی یہ روزہ نہ رکھا اور میں بھی (حج کرتے ہوئے) یہ روزہ نہیں رکھتا اور اس کے رکھنے کا حکم بھی نہیں دیتا اور اس سے روکتا بھی نہیں۔"(۱)

جس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام عرفات میں یوم عرفہ کے روزے سے منع فرمایا ہے۔" وہ ضعیف اور نا قابل حجت ہے۔(۲)

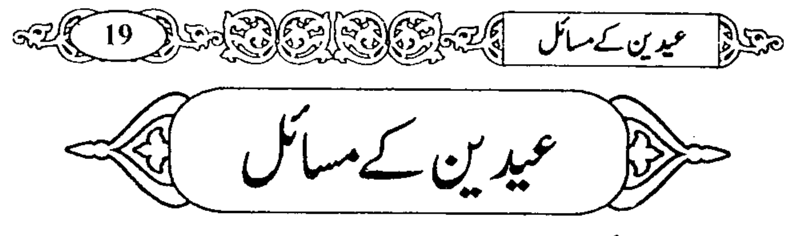
علامہ عبدالرحمن مبارکپوری نے فرمایا ہے کہ "جمہور جس طرف گئے ہیں کہ مقام عرفات میں عرفہ کے دن روزہ چھوڑنا مستحب ہے' یہی بات ظاہر ہے اور اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے (وہ یہ ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام عرفات میں عرفہ کے روزے سے منع فرمایا ہے۔"(۳)



(۱) [صحیح : صحیح ترمذی' ترمذی (۷۵۱) کتاب الصوم]

(۲) [ضعیف : ضعیف ابن ماجة (۳۷۸) کتاب الصیام' ضعیف ابو داود (۴۲۱) سلسلة الأحادیث الضعیفة (۴۰۴)] امام حاکمؒ نے اسے بخاری کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔[مستدرك حاکم (۴۳۴/۱)] اور حافظ ابن حجرؒ نے نقل فرمایا ہے کہ امام ابن خذیمہؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [تلخیص الحبیر (۴۰۷/۲)]

(۳) [تحفة الأحوذی (۵۲۰/۳)]



عیدین کے مسائل

عیدین کا معنی ومفہوم:

"عیدین" لفظ "عید" کا تثنیہ ہے جو دراصل باب عَادَ یَعُوْدُ (نصر) سے مشتق ہے۔ اس کا معنی "لوٹنا" یا بار بار لوٹ کر آنے والا دن" مستعمل ہے۔ عیدین سے مراد عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہے۔ ان دونوں کا نام اس لیے عید رکھا گیا ہے کیونکہ یہ دن بار بار خوشی لے کر لوٹتے ہیں۔ اس کی جمع "اعیاد" آتی ہے۔ (۱)

کتب سیر کے مطابق یہ عید دوسری ہجری میں مشروع ہوئی۔ لیکن بعض حضرات نے یہ مؤقف ظاہر کیا ہے کہ عید ہجرت کے پہلے سال مشروع ہوئی۔ (۲)

عید کے دن غسل کرنا:

حضرت فاکہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن، عید الفطر کے دن اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کیا کرتے تھے۔" (۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے لیکن وہ ضعیف ہے۔ (٤) امام بزارؒ نے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (٥) حافظ ابن حجرؒ امام بزارؒ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ "مجھے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کے متعلق کوئی صحیح حدیث یاد نہیں۔ (٦)

گو کہ اس معنی میں جتنی روایات مروی ہیں ان میں کچھ نہ کچھ ضعف بہر حال موجود ہے

---

(۱) [القاموس المحیط (ص/٢٧٤) المنجد (ص/٥٩٠) نیل الأوطار (٥٧٩/٢) تحفة الأحوذی (٩١/٣)]

(۲) [سبل السلام (٦٨٤/٢) الفقه الإسلامی وأدلته (١٣٨٦/٢)]

(۳) [ضعیف: ارواء الغلیل (١٤٦) ابن ماجة (١٣١٦) حافظ بوصیریؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔[الزوائد (٤٣١/١)]

(٤) [إرواء الغلیل (١٤٦) تلخیص الحبیر (٨٠/٢) الدرایة (٥/١) ابن ماجة (١٣١٥)]

(٥) [کشف الأستار (٦٤٨)] اسے شیخ محمد صبحی حسن حلاقؒ نے توضیح کہا ہے۔[التعلیق علی السیل الجرار (٢٩٨/١)] مگر امام ہیثمیؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔[المجمع (١٩٨/٢)]

(٦) [تلخیص الحبیر (٨١/٢)]

لیکن دیگر مختلف آثار صحابہ سے اس کی تائید ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ”وہ عیدالفطر کے دن عیدگاہ کی جانب جانے سے پہلے غسل کرلیا کرتے تھے۔“(۱)

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ’جو شدت سے سنت کی پیروی کرتے تھے‘ (کے عمل سے) ثابت ہے کہ وہ عیدگاہ کی طرف نکلنے سے پہلے غسل کرلیا کرتے تھے۔(۲)

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ غسل عیدین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کوئی صحیح حدیث مروی نہیں البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر صحیح ہے لہٰذا فقدانِ احادیث کے وقت آثارِ صحابہ پر عمل کر لینا ہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ (واللہ اعلم)

امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ عید کے لیے غسل کے ذریعے طہارت حاصل کرنا مستحب ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عیدالفطر کے دن غسل کیا کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت کیا گیا ہے اور امام علقمہ، امام عروہ، امام عطاء، امام نخعی، امام شعبی، امام قتادہ، امام ابوالزناد، امام مالک، امام شافعی اور امام ابن منذر رحمہم اللہ اجمعین بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت فاکہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن غسل کیا کرتے تھے۔“(۳)

عید کے دن عمدہ لباس پہننا مستحب ہے:

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں اور جمعہ کے دن سرخ چادریں پہنا کرتے تھے۔“(٤)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر عید میں دھاری دار چادریں پہنا کرتے تھے۔“(٥)

---

(۱) [موطا (۱۷۷/۱) کتاب العیدین : باب العمل فی غسل العیدین ' الأم للشافعی (۲٦٥/۱)] امام نوویؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[المجموع (٦/٥)]

(۲) [زاد المعاد (۱/٤٤٢)]

(۳) [المغنی (۱۳/ ۲٥٦)]

(٤) [ابن خزیمة (۱۳۲/۳)' (۱۷٦٦)] شیخ البانیؒ بیان کرتے ہیں کہ اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ راوی ضعیف ہے۔ التعلیقات الرضیة علی الروضة الندیة (۳۸٥/۱)]

(٥) [طبرانی أوسط (۷٦۰۹)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے رجال ثقہ ہیں۔[مجمع الزوائد (۱۹۸/۲)]

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ریشمی لباس بازار میں بکتا ہوا پایا تو اسے پکڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور عرض کیا ﴿يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! ابْتَعْ هَذِهِ فَتَجَمَّلْ بِهَا لِلْعِيدِ وَالْوَفْدِ﴾ ''اے اللہ کے رسول! آپ اسے خرید لیجیے اور اس کے ذریعے عید اور وفد کے لیے خوبصورتی اختیار کیجیے۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿إِنَّمَا هَذِهِ لِبَاسُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ﴾ ''بے شک یہ ایسے شخص کا لباس ہے جس کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں۔''(١)

امام شوکانی ؒ نے فرمایا ہے کہ عیدین میں میسر لباس میں سے سب سے اچھا لباس پہننا اور اسی طرح سب سے عمدہ خشبو لگانا مسنون و ماثور ہے۔(٢) امام ابن قدامہ ؒ نے فرمایا ہے کہ (عید کے روز) صاف ستھرا بننا' میسر لباس میں سے عمدہ و بہترین لباس پہننا' خوشبو لگانا اور مسواک کرنا مستحب ہے۔(٣) امام ابن قیم ؒ فرماتے ہیں کہ عیدین کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سب سے بہترین لباس پہنتے تھے۔(٤)

نماز عیدالفطر سے پہلے فطرانہ کی ادائیگی:

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے غلام' آزاد' مرد' عورت' بچے اور بوڑھے سب پر صدقہ فطر فرض کیا ہے۔ ایک صاع کھجوروں سے یا ایک صاع جو سے۔ اور اس کے متعلق حکم دیا ہے کہ یہ فطرانہ نماز کے لیے نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔''(٥)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں ''جس نے اسے نماز (عید) سے پہلے ادا کر دیا تو یہ قابل قبول زکوۃ ہوگی اور جس نے نماز کے بعد اسے ادا کیا تو وہ صرف صدقات میں سے ایک صدقہ ہی ہے (یعنی صدقہ فطر نہیں ہوگا)۔''(٦)

معلوم ہوا کہ یہ صدقہ نماز عید کے لیے روانگی سے پہلے ادا کر دینا ضروری ہے اور اگر عید سے

---

(١) [بخاری (٩٤٨ ' ٨٨٦) مسلم (٢٠٦٨) أبو داود (١٠٧٦) نسائی (٩٦/٣)]

(٢) [السيل الجرار (٣٢٠/١)]

(٣) [المغنی (٢٥٧/١٣)]

(٤) [زاد المعاد (١٢١/١)]

(٥) [بخاری (١٥٠٣) كتاب الزكاة : باب فرض صدقة الفطر' مسلم (٩٨٤)]

(٦) [حسن : ارواء الغليل (٨٤٣) أبو داود (١٦٠٩) ابن ماجة (١٨٢٧) دارقطنی (١٣٨/٢)]

ایک' دو دن پہلے ادا کر دیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔(۱)

نمازِ عید سے پہلے کھانا:

نمازِ عید الفطر کے لیے عیدگاہ کی طرف جانے سے پہلے کچھ کھالینا اور نمازِ عید الاضحیٰ کے لیے جانے سے پہلے کچھ نہ کھانا مستحب ہے اور نمازِ عید الفطر سے پہلے کھجوریں کھانا اور طاق عدد میں کھانا بھی مستحب ہے جیسا کہ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن اس وقت تک نہ نکلتے جب تک کہ کچھ کھا نہ لیتے اور عید الاضحیٰ کے دن اس وقت تک کچھ نہ کھاتے جب تک کہ نماز نہ پڑھ لیتے۔''(۲)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عید الفطر کے لیے نکلنے سے پہلے چند کھجوریں تناول فرمایا کرتے تھے اور طاق عدد میں کھجوریں کھایا کرتے تھے۔''(۳)

نمازِ عیدین کا حکم:

نمازِ عیدین ہر مکلف شخص پر واجب ہے جیسا کہ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم جوان لڑکیوں اور حائضہ عورتوں کو بھی عیدین میں ساتھ لے کر نکلیں تاکہ وہ بھی مسلمانوں کے اُمورِ خیر اور دعاؤں میں شریک ہوں البتہ حائضہ عورتیں عیدگاہ سے الگ رہیں (یعنی نماز ادا نہ کریں)۔(٤)

(2) صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں: ''ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم (ان خواتین کو) نکالیں......''(٥)

(3) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا جب ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو اور اس وجہ سے وہ (نمازِ عید کے لیے) نہ جا سکے تو کیا اس پر کوئی حرج ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لِتَلْبَسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا فَلْيَشْهَدْنَ

---

(۱) [مزید دیکھئے: المغنی (٤/٣٠٠) فتاوی ابن باز مترجم (١/١٢٧)]

(۲) [صحیح: صحیح ترمذی' ترمذی (٥٤٢) ابن ماجة (١٧٥٦)]

(۳) [بخاری (٩٥٣) ابن ماجة (١٧٥٤) أحمد (٣/١٢٦) ابن خزيمة (١٤٠٩)]

(٤) [بخاری (٩٨١) مسلم (٨٩٠) ابو داود (١١٣٦) ترمذی (٥٣٧) نسائی (٣/١٨٠)]

(٥) [بخاری (٩٧٤)]

الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ ﴾ ''اس کی سہیلی اپنی چادر کا ایک حصہ اسے اوڑھا دے اور پھر وہ خیر اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں۔'' (۱)

(4) کچھ لوگوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر گزشتہ روز چاند دیکھنے کی شہادت دی تو آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ روزہ کھول دیں اور جب صبح ہو تو عید گاہ کی طرف جائیں۔'' (۲)

جب حائضہ اور بغیر چادر والی معذور خواتین کو عید گاہ میں حاضر ہونے کا حکم ہے تو مردوں کو بالاولیٰ حکم ہے۔ بعض حضرات نے اس آیت ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ سے نماز عید مراد لی ہے لیکن یہ بات راجح نہیں کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور نماز عید مدینہ میں مشروع ہوئی۔ (۳)

امام شوکانیؒ نمازِ عیدین کے وجوب کے دلائل نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ''یہ سب دلائل ثبوت ہیں کہ بے شک یہ نماز تاکیدی طور پر فرض عین ہے فرض کفایہ نہیں۔'' (٤) شیخ البانیؒ نے فرمایا ہے کہ ''(حدیث میں) مذکورہ حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے اور جب نکلنا واجب ہے تو نماز بالاولیٰ واجب ہے جیسا کہ یہ بات مخفی نہیں' لہٰذا اس کا سنت ہونا نہیں بلکہ وجوب ہی برحق ہے اور اس کے دلائل میں سے یہ ہے کہ یہ نماز جمعہ کو ساقط کر دیتی ہے جب یہ دونوں ایک ہی دن اکٹھے ہو جائیں' جیسا کہ مؤلف کی کتاب میں قریب ہی یہ گزرا ہے اور جو چیز (خود) واجب نہ ہو وہ کسی (دوسرے) واجب کو ساقط نہیں کر سکتی۔'' (٥) امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے ''نماز عید فرض کفایہ ہے۔'' (٦) امام ابن تیمیہؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ''یہ عید سب لوگوں پر واجب ہے۔'' (۷) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی کا یہ فتویٰ ہے کہ ''نماز عیدین یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ (کی نماز) میں سے ہر ایک فرض کفایہ ہے اور بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ یہ دونوں جمعہ کی طرح فرض عین ہیں اور کسی مومن کے لیے انہیں چھوڑنا جائز نہیں۔'' (۸)

---

(۱) [بخاری (۹۸۰) كتاب العيدين : باب إذا لم يكن لها جلباب في العيد]

(۲) [صحیح : صحیح ابو داود ' أبو داود (۱۱۵۷) كتاب الصلاة]

(۳) [فتح البيان (٥٦٣/٧) أحكام القرآن لابن العربي (١٩٨٦/٤)]

(٤) [السيل الجرار (٣١٥/١)]

(٥) [تمام المنة (ص/٣٤٤)]

(٦) [المغني (٢٥٣/٣)]

(۷) [مجموع الفتاوى (١٦١/٢٣)]

(۸) [فتاوى اللجنة الدائمة (٢٨٤/٨)]

نماز عیدین کا وقت:

ان نمازوں کا وقت طلوع آفتاب سے لے کر آفتاب ڈھلنے تک ہے۔

(1) حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "وہ لوگوں کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن نکلے تو انہیں امام کے تاخیر کر دینے پر نہایت تعجب ہوا اور انہوں نے کہا کہ بے شک ہم تو اس وقت (نماز پڑھ کے) فارغ ہو چکے ہوتے تھے اور وہ نماز چاشت کا وقت تھا۔"(۱)

(2) حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اس وقت پڑھتے تھے جب سورج دو نیزوں کے برابر بلند ہو جاتا اور عید الاضحیٰ اس وقت پڑھتے جب سورج ایک نیزے کے برابر ہوتا۔"(۲)

امام شوکانی" فرماتے ہیں کہ نماز عیدین کے وقت کی تعیین میں سب سے اچھی وارد شدہ حدیث حدیثِ جندب رضی اللہ عنہ ہے۔(۳) امام شافعیؒ نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی طرف جو کہ نجران میں تھے خط لکھا کہ عید الاضحیٰ جلدی پڑھا کرو اور عید الفطر کچھ تاخیر سے پڑھا کرو۔"(٤) اگرچہ ان احادیث میں ضعف ہے لیکن ان سے ماخوذ مسائل پر اتفاق ہے۔(٥)

نماز عیدین کا آخری وقت زوالِ آفتاب ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زوالِ آفتاب کے بعد چاند نظر آنے کی اطلاع ملنے پر کہا کہ "کل صبح لوگ نماز عید کے لیے عیدگاہ پہنچیں۔"(٦) اس مسئلے

---

(۱) [صحیح : صحیح ابو داود، ابو داود (۱۱۳۵) ابن ماجة (۱۳۱۷) بخاری تعلیقا (۹٦۸، تمام المنة (ص/۳٤۸) التعلیقات الرضیة علی الروضة الندیة (۱/۳۸۷)]

(۲) [تلخیص الحبیر (۲/۱٦۷) اس کی سند میں معلّٰی بن ھلال راوی کذاب ہے اس لیے یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ شیخ البانیؒ نے یہ وضاحت کی ہے۔ [التعلیقات الرضیة علی الروضة الندیة (۱/۳۸٦) تمام المنة (ص/۳٤۷)]

(۳) [نیل الأوطار (۲/٥۹۲)]

(٤) [بدائع المنن (۱/۲۷۲-۱۷۳)، (٤۹۰) اس کی سند میں ابراہیم بن محمد شیخ الشافعی ضعیف ہے۔ [الروضة الندیة (۱/۳٦٥)]

(٥) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباری (۲/۳٥۷) زاد المعاد (۱/٤٤۲) موسوعة الإجماع فی الفقه الإسلامی (۲/٦٥٤)]

(٦) [أبو داود (۱۱٥۷) صحیح أبو داود (۱۰۲٦)]

میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔(۱)

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ''آپ ﷺ نمازِ عیدالفطر (کچھ) تاخیر سے ادا کرتے تھے اور نمازِ عیدالاضحیٰ جلدی ادا کرتے تھے۔''(۲)

اگر زوالِ آفتاب کے بعد عید کا علم ہو:

تو نمازِ عید کے لیے اگلے روز عیدگاہ جانا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت ابوعمیر بن انس رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک چچا (یعنی صحابی) سے روایت کیا ہے کہ چند سوار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شہادت دی کہ انہوں نے کل شام چاند دیکھا تھا۔ آپ ﷺ نے (سب کو) حکم دے دیا کہ ''روزہ افطار کر دو اور کل صبح نمازِ عید کے لیے عیدگاہ میں آ جاؤ۔''(۳)

نمازِ عید کے لیے کھلے میدان کا انتخاب:

(1) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی ﷺ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف باہر نکلتے تھے۔''(٤)

(2) ایک قافلے نے گزشتہ روز چاند دیکھنے کی شہادت دی تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ﴿ وَإِذَا أَصْبَحُوا أَنْ يَّغْدُوا إِلَى مُصَلَّاهُمْ ﴾ ''جب صبح ہو تو وہ عیدگاہ کی طرف نکل آئیں۔''(٥)

معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے نمازِ عید کے لیے مسجد نہیں بلکہ عیدگاہ کو ہی ہمیشہ اختیار فرمایا۔(٦)

امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ ''عیدگاہ میں نمازِ عید ادا کرنا سنت ہے۔''(۷) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی کا بھی یہی فتویٰ ہے۔(۸)

---

(۱) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البحر الزخار (۲/۵۳) نیل الأوطار (۲/۵۹۲) الروضۃ الندیۃ (۱/۳٦٥)]

(۲) [زاد المعاد (۱/۱۲۱)]

(۳) [**صحیح**: صحیح ابو داود' ابو داود (۱۱٥۷)]

(٤) [بخاری (۹٥٦) کتاب الجمعۃ: باب الخروج إلی المصلی بغیر منبر' مسلم (۸۸۹)]

(٥) [**صحیح**: صحیح ابو داود' ابو داود (۱۱٥۷) أحمد (٥/٥۸) نسائی (۳/۱۸۰)]

(٦) [تفصیل کے لیے دیکھئے: الروضۃ الندیۃ (۱/۳٦۳) سبل السلام (۲/٦۷۹)]

(۷) [المغنی (۳/۲٦۰)]

(۸) [فتاوی اللجنۃ الدائمۃ (۸/۲۹۱)]

کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں نمازِ عید کی ادائیگی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "ایک عید کے موقع پر لوگوں کو بارش نے آ لیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نمازِ عید مسجد میں پڑھا دی۔"(۱)

یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی ایسی روایت موجود ہے کہ بارش ہو جائے تو مسجد میں نمازِ عید پڑھی جا سکتی ہے۔(۲) اور اس قاعدے کی وجہ سے بھی جواز کا اشارہ ملتا ہے ﴿ اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ ﴾ "ضرورتیں ممنوع کاموں کو مباح بنا دیتی ہیں۔"(۳)

علماء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ نمازِ عید وسیع و کشادہ مسجد میں پڑھنا افضل ہے یا آبادی سے باہر نکل کر۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر علاقے کی مسجد ہی وسیع و کشادہ ہو تو مسجد میں پڑھنا افضل ہے کیونکہ اصل مقصود مرد اور خواتین کا اجتماع ہے اور وہ مسجد میں بھی ہو سکتا ہے تو باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ آبادی سے باہر نکلنا ہی افضل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پر مداومت اختیار فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آبادی سے باہر نمازِ عید کے متعلق کہا کہ "اگر یہ عمل (یعنی آبادی سے باہر نکل کر نمازِ عید ادا کرنا) سنت نہ ہوتا تو میں مسجد میں نماز پڑھ لیتا۔"(۴) یہی دوسرا موقف ہی زیادہ مناسب ہے۔(۵)

عورتوں کا عیدگاہ جانا:

عورتیں خواہ جوان ہوں یا بوڑھی، کنواری ہوں یا بیوہ، حائضہ ہوں یا طاہرہ انہیں بہرحال عیدگاہ کی طرف نکلنا چاہیے اور کم از کم مسلمانوں کی دعا میں ضرور شریک ہونا چاہیے، البتہ وہ خواتین جو عدت میں ہیں یا ان کے نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے یا ان کے پاس کوئی عذر ہے تو وہ گھر میں بھی نمازِ عید ادا کر سکتی ہیں۔ حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم جوان لڑکیوں

---

(۱) [**ضعیف** : ضعیف ابو داود، ابو داود (۱۱۶۰) ابن ماجة (۱۳۱۳)]

(۲) [بیهقی (۳۱۰/۳)]

(۳) [القوانین الفقهیة الکبری للدکتور صالح بن غانم (ص/۲۴۷)]

(۴) [ابن أبی شیبة (۱۸۵/۲) نیل الأوطار (۵۹۱/۲) سبل السلام (۶۸۶/۲) فتح الباری (۱۲۶/۳)]

(۵) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: السیل الجرار (۳۲۰/۱)]

اور حائضہ عورتوں کو بھی عیدین میں ساتھ لے کر نکلیں تاکہ وہ بھی مسلمانوں کے امور خیر اور دعاؤں میں شریک ہوں البتہ حائضہ عورتیں عیدگاہ سے الگ رہیں (یعنی نماز ادا نہ کریں)۔(۱)

امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ ''عید کے دن عورتوں کے عیدگاہ کی طرف نکلنے میں کوئی حرج نہیں۔(۲) نیز سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ''عیدین کے دونوں میں خواتین کا عیدگاہ کی طرف نکلنا مسنون ہے۔''(۳) شیخ ابن جبرین نے فرمایا ہے کہ عیدین کی نماز کے لیے عورتوں کا گھر سے باہر جانا مشروع ہے' عورتوں کو اس کی خاص طور پر تاکید کی جائے۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر تکبیرات پڑھیں اور ان کی دعاؤں میں شرکت کریں اور اس دن کے فیوض و برکات کی امید رکھیں۔ جہاں تک حائضہ عورتوں کا تعلق ہے تو وہ عیدگاہ سے الگ رہ کر خیر و برکت اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شرکت کریں۔ اس پر اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا' اے اللہ کے رسول! اگر ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو تو پھر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کی بہن اسے اپنی چادر پہنا دے۔''(٤)

عورتیں باپردہ ہو کر نکلیں:

کیونکہ شریعت نے عورت کو گھر سے باہر نکلتے وقت حجاب کی تلقین فرمائی ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَـٰبِيبِهِنَّ ﴾ [الأحزاب : ٥٩] ''اے نبی! اپنی بیویوں' اپنی بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں۔'' اور حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جب ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو اور اس وجہ سے وہ (نماز عید کے لیے) نہ جا سکے تو کیا اس پر کوئی حرج ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کی سہیلی اپنی چادر کا ایک حصہ اسے اوڑھا دے اور پھر وہ خیر اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں۔''(٥)

---

(۱) [بخاری (۹۸۱) مسلم (۸۹۰) أبو داود (۱۱۳٦) ترمذی (٥۳۷) نسائی (۱۸۰/۳)]

(۲) [المغنی (۲٦۳/۳)]

(۳) [فتاوی اللجنة الدائمة (۲۸٦/۸)]

(٤) [فتاوی برائے خواتین (ص: ۱۲۳)]

(٥) [بخاری (۹۸۰) كتاب العيدين : باب إذا لم يكن لها جلباب في العيد]

سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ''بلاشبہ عورتوں کا نمازِ عیدین کے لیے نکلنا سنت مؤکدہ ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ باپردہ ہو کر نکلیں' زیب و زینت ظاہر کر کے نہ نکلیں۔''(۱)

عورتیں خوشبو لگا کر نہ نکلیں:

(1) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر آنکھ زنا کرنے والی ہے' اور عورت جب خوشبو لگائے پھر کسی مجلس کے قریب سے گزرے تو وہ اس طرح اور اس طرح ہے یعنی بدکار ہے۔''(۲)

(2) حضرت زینب رضی اللہ عنہا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بیوی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں حاضر ہو تو خوشبو مت لگائے۔''(۳)

امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ بلاشبہ عورتوں کے لیے خوشبو لگائے بغیر نکلنا مستحب ہے اور وہ شہرت یا زینت کا لباس بھی مت پہنیں۔(٤) شیخ ابن جبرین نے فرمایا ہے کہ واضح رہے کہ نماز عید کے لیے جاتے وقت عورتوں کو خوشبو اور فتنہ انگیز زیب و زینت سے اجتناب کرتے ہوئے انتہائی سادگی کے ساتھ مردوں سے الگ الگ رہنا چاہیے۔(٥)

بچوں کو عید گاہ لے کر جانا:

جائز اور درست ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے کہ ﴿بَابُ خُرُوجِ الصِّبْيَانِ إِلَى الْمُصَلَّى﴾ ''باب بچوں کو عید گاہ لے کر جانا'' اور اس کے تحت یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی پھر عورتوں کی طرف آئے اور انہیں وعظ و نصیحت کیا اور صدقہ کا حکم دیا۔''(٦)

سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ بچوں کو عید گاہ میں حاضر ہونے سے نہ روکا

---

(۱) [فتاوی اللجنة الدائمة (۲۸۷/۸)]

(۲) [صحیح: صحیح ترمذی' ترمذی (۲۷۸٦)]

(۳) [مسلم (۹۹۷)]

(٤) [المغنی (۲٦٥/۳)]

(٥) [فتاوی برائے خواتین (ص/۱۲۳)]

(٦) [بخاری (۹۷٥) کتاب العیدین: باب خروج الصبیان إلى المصلى]

جائے جبکہ وہ سات سال یا اس سے زیادہ عمر کے ہوں کیونکہ فرمانِ نبوی ہے کہ ''اپنے بیٹوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور انہیں دس سال کی عمر میں مارو اور ان کے بستر علیحدہ کر دو۔''

عیدگاہ کی طرف پیدل جانا:

(1) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''عیدگاہ کی جانب پیدل چل کے جانا سنت ہے۔''(١)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں عام لفظ ہیں کہ ''جب تمہیں نماز کے لیے اذان دی جائے تو تم اس کی طرف چلتے ہوئے آؤ۔''(٢)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ وہ عید کے لیے مردوں کا پیدل جانا پسند کرتے ہیں اور یہ کہ کوئی بھی بغیر عذر کے سوار نہ ہو۔(٣) امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کیا ہے ''عید کے لیے پیدل چلنا اور سوار ہو کر جانا......''(٤) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ شاید امام بخاریؒ نے اس باب کو قائم کر کے نماز عید کے لیے چل کر جانے کے استحباب میں وارد احادیث کی تضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے (یعنی امام بخاریؒ عید کے لیے چل کر جانا اور سوار ہو کر جانا دونوں طرح جائز سمجھتے ہیں)۔(٥)

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ فرماتے ہیں کہ راجح قول وہی ہے جسے اکثر اہل علم نے اختیار کیا ہے (یعنی چل کر جانا مستحب ہے)۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ عیدین میں مسنون افعال میں سے پیدل چل کر جانا بھی ہے۔(٦)

عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیریں کہنا:

عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیریں کہنی چاہئیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ''بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن تکبیریں کہتے ہوئے عیدگاہ کی طرف جاتے۔ نماز ادا کر

---

(١) [حسن : ترمذی (٥٣٠) ابن ماجة (١٢٩٦) اس کی سند میں حارث اعور راوی ہے جسے امام نوویؒ نے بالاتفاق کذاب کہا ہے۔ خلاصة الأحكام (٨٢٢/٢) نيل الأوطار (٥٨٢/٢)]

(٢) [مسلم (٩٤٦) كتاب المساجد و مواضع الصلاة]

(٣) [ترمذی (بعد الحديث / ٥٣٠)]

(٤) [بخاری (٩٥٧)]

(٥) [فتح الباری (١٢٧/٣ ـ ١٢٨)]

(٦) [السيل الجرار (٣٢٠/١)]

لینے تک یہ سلسلہ جاری رکھتے اور جب نماز ادا کر لیتے تو تکبیریں کہنا چھوڑ دیتے۔“(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں ہے کہ وہ عید کے دن تکبیریں کہتے ہوئے روانہ ہوتے اور اپنی آواز بلند رکھتے حتی کہ امام پہنچ جاتا (تو تکبیریں کہنا چھوڑ دیتے)۔(۲) امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ عید کے راستے میں (آدمی) تکبیر کہے اور تکبیر کے ساتھ اپنی آواز بلند کرے۔(۳)

تکبیرات کی ابتدا اور انتہا:

عید الفطر میں شوال کا چاند دیکھنے کے بعد سے نماز عید الفطر کی ادائیگی تک تکبیریں کہنی چاہییں اور عید الاضحیٰ میں 9 ذوالحجہ سے لے کر 13 ذوالحجہ کی شام تک تکبیریں کہنی چاہییں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”ماہ شوال (کا چاند) دیکھنے کے بعد روزہ داروں پر لازم ہے کہ وہ تکبیریں کہیں اور عید سے فارغ ہونے تک تکبیریں کہتے رہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”تاکہ تم (ماہ رمضان کے روزوں کی) گنتی پوری کرلو اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت پر تکبیر کہو۔“(۴)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ﴾ [البقرة: ۲۰۳] ”اور گنتی کے چند دنوں میں اللہ کو یاد کرو۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”ایام معدودات سے مراد ایام تشریق ہیں۔“(۵) امام شوکانیؒ نے بھی یہی تفسیر فرمائی ہے۔(۶) امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ عید الفطر میں چاند دیکھ کر تکبیریں شروع کرنی چاہییں اور نماز عید سے فارغ ہونے پر چھوڑنی چاہییں۔(۷) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ہمیں کسی خاص دعا کا علم نہیں جو نماز عید میں یا عید کے دن میں مسلمانوں کے لیے مشروع ہو لیکن مسلمانوں کے لیے تسبیح، تہلیل اور تحمید بیان کرنا عیدین کی دوراتوں میں مشروع ہے اور ان دونوں عیدوں میں سے ایک یعنی عید الفطر کے دن صبح کو خطبہ کے اختتام تک اور عید الاضحیٰ میں ایام تشریق کے اختتام

(۱) [سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني (۱۷۱)' (۱۱۹/۲)]
(۲) [سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني (۱۷۱)' (۱۲۱/۲)]
(۳) [المغنى (۲٦۲/۳)]
(٤) [تفسير فتح القدير (۲٤۲/۱)]
(٥) [بخارى (۹٦۹)]
(٦) [السيل الجرار (۳۲۰/۱)]
(۷) [مجموع الفتاوى (۲۲۱/۲٤)]

تک (تکبیریں کہنی چاہییں)۔ (۱)

تکبیرات کے الفاظ:

(1) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں:

﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيرًا﴾ (۲)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ لفظ ہیں:

﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيرًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيرًا، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَأَجَلُّ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ﴾ (۳)

(3) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں:

﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ﴾ (٤)

امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی الفاظ کہنے چاہییں۔ (٥)

کیا عورتیں بھی تکبیرات کہیں گی؟:

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ ہم (عید کے روز) حائضہ عورتوں کو بھی نکالیں تاکہ وہ بھی تکبیرات کہنے میں لوگوں کی شریک ہوں۔ (٦) اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا دسویں تاریخ میں تکبیریں کہتی تھیں اور عورتیں ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے پیچھے مسجد میں مردوں کے ساتھ تکبیریں کہا کرتی تھیں۔ (٧)

نماز عید کے لیے اذان اور اقامت نہیں:

(1) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عید ایک

---

(۱) [فتاوی اللجنة الدائمة (۳۰۲/۸)]

(۲) [بیهقی فی السنن الکبری (۳۱٦/۳) نیل الأوطار (٦۲۱/۲)]

(۳) [ابن أبی شیبة (٤۸۹/۱) الکنی للدولابی (۱۲٤/۱)]

(٤) [تمام المنة (ص/۳٥٦) إرواء الغلیل (۱۲٥/۳) نیل الأوطار (٦۲۱/۲)]

(٥) [الأم (٤۰۱/۱) المجموع (٤۷/٥) المبسوط (٤۳/۲) الهدایة (۸۷/۱) المغنی (۲۹۰/۳) بدایة المجتهد (۱۷٤/۱)]

(٦) [بخاری (۲۹۸۔ البغا)]

(۷) [بخاری (قبل الحدیث ۹۷۰)]

مرتبہ یا دو مرتبہ نہیں (بلکہ کئی مرتبہ) بغیر اذان واقامت کے پڑھی۔ (۱)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن اذان نہیں کہی جاتی تھی۔ (۲)

امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ ہمیں اس میں کسی اختلاف کا علم نہیں (کہ نماز عیدین کے لیے اذان واقامت مسنون نہیں)۔ (۳) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نماز عید کے لیے اذان اور اقامت تو مشروع نہیں لیکن اس کے لیے " الصلاة جامعة " کے الفاظ کہے جاسکتے ہیں۔ تو یاد رہے کہ یہ الفاظ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اس لیے انہیں اختیار نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ شیخ ابن بازؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ عید کے لیے کسی بھی لفظ کے ساتھ نداء کرنا یقیناً بدعت ہے۔ (٤)

نماز عید سے پہلے یا بعد میں کوئی نفل نماز نہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے روز دو رکعت نماز پڑھائی جبکہ ان دو رکعتوں سے پہلے اور بعد میں کوئی نماز نہیں پڑھی۔ (٥)

امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ نماز عید سے پہلے اور اس کے بعد امام اور مقتدی دونوں کے لیے نماز کی جگہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے خواہ وہ عید گاہ میں ہوں یا مسجد میں اور یہی حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے اور حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت حذیفہ' حضرت بریدہ' حضرت سلمہ بن اکوع' حضرت جابر اور حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے اور امام شریح' امام عبداللہ بن مغفل' امام شعبی' امام مالک' امام ضحاک' امام قاسم' امام سالم' امام معمر' امام ابن جریج اور امام مسروق رحمۃ اللہ علیہم نے بھی یہی بات کہی ہے۔ اور امام زہریؒ نے کہا ہے کہ میں نے اپنے علماء میں سے کسی کو ذکر کرتے ہوئے نہیں سنا کہ اس امت کے سلف میں سے کوئی اس نماز (عید) سے پہلے نماز پڑھتا ہو اور نہ (ہی یہ سنا کہ) اس کے بعد پڑھتا ہو۔ (٦)

---

(۱) [مسلم (۸۸۷) احمد (۹۱/۵) ابو داود (۱۱٤۸) ترمذی (٥۳۲)]

(۲) [بخاری (۹٥۹، ۹٦۰) مسلم (۷۷٦)]

(۳) [المغنی (۲٦۷/۳)]

(٤) [حاشیہ فتح الباری للشیخ ابن باز (٤٥۲/۲)]

(٥) [بخاری (۹٦٤) مسلم (۸۸٤) أبو داود (۱۱٥۹) ترمذی (٥۳۷)]

(٦) [المغنی (۲۸۰/۱)]

نماز عید کے بعد گھر جا کر نماز پڑھنا:

عیدگاہ میں تو سوائے دو رکعت کے کوئی نماز پہلے یا بعد میں پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں البتہ عیدگاہ سے فارغ ہونے کے بعد گھر جا کر دو رکعتیں پڑھی جا سکتی ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ عید سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے البتہ جب اپنے گھر کی طرف لوٹتے تو دو رکعت نماز ادا فرما لیتے تھے۔(۱)

عیدگاہ میں امام کے سامنے سترہ رکھنا:

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عیدگاہ جاتے تو برچھا (چھڑی جس کے نیچے لوہے کا پھل لگا ہوا ہو) آپ ﷺ کے آگے آگے لے جایا جاتا تھا پھر یہ عیدگاہ میں آپ ﷺ کے سامنے گاڑ دیا جاتا اور آپ ﷺ اس کی آڑ میں نماز پڑھتے۔"(۲)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نماز کے لیے برچھی آگے آگے اٹھائی جاتی اور وہ عیدگاہ میں آپ کے سامنے گاڑ دی جاتی آپ اسی کی آڑ میں نماز پڑھتے۔(۳)

نماز عید دو رکعت ہے:

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عیدالفطر کے دن نکلے اور (عیدگاہ) میں دو رکعت نماز عید پڑھی۔ آپ ﷺ نے نہ اس سے پہلے نفل نماز پڑھی اور نہ اس کے بعد۔ آپ ﷺ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔(٤)

(2) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا عیدالاضحیٰ کی نماز دو رکعتیں ہے اور عیدالفطر کی نماز دو رکعتیں ہے اور مسافر کی نماز دو رکعتیں ہے اور جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہے۔ یہ نماز کم نہیں بلکہ مکمل ہے نبی ﷺ کی زبان (یعنی فرمان) کے مطابق۔(۵)

---

(۱) [**صحیح** : صحیح ابن ماجہ' ابن ماجة (۱۲۹۳) حافظ بوصیریؒ نے اس کی سند کو صحیح جبکہ حافظ ابن حجرؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [مصباح الزجاجة (٤٢٣/١) فتح الباری (۵۹/۳)]

(۲) [بخاری (۹۷۳) کتاب العیدین]

(۳) [بخاری (۹۷۲) کتاب العیدین]

(٤) [بخاری (۹۸۹) کتاب العیدین : باب الصلاة قبل العید وبعدها]

(۵) [**صحیح** : صحیح نسائی' نسائی (۱۵٦۷) کتاب صلاة العیدین]



نماز عید کی قراءت:

(1) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلٰی'' اور ''هَلْ أَتَاکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ'' کی قراءت کرتے تھے۔(۱)

(2) حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نماز میں ''قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ'' اور ''اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ'' کی قراءت فرماتے۔(۲)

نماز میں تکبیرات زائدہ:

پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہی جائیں گی جیسا کہ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عیدالفطر کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہی جائیں گی اور قراءت ان دونوں کے بعد کی جائے گی۔''(۳)

(2) حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عیدین کی پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔(۴)

(3) حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے۔(۵)

امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات

---

(۱) [مسلم (۸۷۸) ابو داود (۱۱۲۲) ترمذی (۵۳۳) نسائی (۱۴۲۴)]

(۲) [مسلم (۸۹۱) کتاب صلاة العیدین 'أحمد (۲۱۷/۵) أبو داود (۱۱۵۴)]

(۳) [حسن : صحیح ابو داود 'أبو داود (۱۱۵۱) ابن ماجة (۱۲۷۸) دارقطنی (۴۸/۲) شرح معانی الآثار (۳۹۹/۲) بیهقی (۲۸۵/۳) امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ امام بخاریؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [العلل الکبیر (ص/۹۳-۹۴)'(۱۵۴)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے شواہد کی وجہ سے صحیح کہا ہے۔[التعلیق علی سبل السلام (۶۷۹/۲)]

(۴) [صحیح : صحیح ترمذی 'ترمذی (۵۳۶) ابن ماجة (۱۲۷۹) ابن خزیمة (۱۴۳۸) اگرچہ اس حدیث کی سند میں کثیر بن عبداللہ راوی ضعیف ہے۔ [میزان الاعتدال (۴۰۶/۳) لیکن شواہد کی وجہ سے یہ قوی ہو جاتی ہے۔[المجموع للنووی (۱۶/۵)]

(۵) [صحیح : صحیح ابن ماجه 'ابن ماجة (۱۲۷۷) شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے شواہد کی وجہ سے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعلیق علی سبل السلام (۱۳۴/۳)]

اور دوسری میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہی جائیں۔ نیز حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو سعید، حضرت جابر، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ایوب، حضرت زید بن ثابت، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، امام زہریؒ، امام مکحولؒ، امام اوزاعیؒ اور امام اسحاقؒ وغیرہ سے بھی یہی موقف مروی ہے۔(۱)

اس مسئلے میں فقہا کے دس مختلف اقوال ہیں جیسا کہ امام شوکانیؒ نے اپنی معروف کتاب "نیل الأوطار" میں یہ تمام اقوال نقل کیے ہیں، تفصیل کا طالب ان کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔(۲)

امام شوکانیؒ پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات اور دوسری میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیروں کے متعلق فرماتے ہیں کہ "یہی زیادہ بہتر ہے جس کے مطابق عمل کیا جائے۔"(۳) امام صنعانیؒ اور نواب صدیق حسن خانؒ نے بھی اسی مؤقف کو ترجیح دی ہے۔(٤)

ہر دو تکبیروں کا درمیانی فاصلہ:

ہر دو تکبیروں کے درمیان ایک معتدل آیت کے برابر ٹھہرنا چاہیے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قولاً اور فعلاً اسی طرح مروی ہے کہ "ہر دو تکبیروں کے درمیان ایک کلمے کی مقدار کے برابر فاصلہ ہونا چاہیے۔"(٥)

تکبیرات عیدین کا حکم:

بعض حضرات ان کی فرضیت کے قائل ہیں جبکہ ان کے علاوہ اکثر کے نزدیک عیدین کی تکبیریں سنت ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی تکبیر چھوڑے گا تو سجدہ سہو کرے گا۔ جبکہ جمہور علماء کا خیال ہے کہ ایسے شخص پر کوئی سجدہ سہو نہیں۔

امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ (نماز عیدین کی) تکبیرات اور ان کے درمیان ذکر سنت

---

(۱) [المجموع (۲۰/٥) الأم (۳۹٥/۱) المغنی (۲۷۰/۳) البدائع (۲۷۷/۱) المبسوط (٤۰/۲) الهداية (۸٦۳۱) بداية المجتهد (۱۷۱۳۱)]

(۲) [نیل الأوطار (٦۰۰/۲۔٦۰۱)]

(۳) [نیل الأوطار (٦۰۱/۲)]

(٤) [سبل السلام (٦۸۱/۲) الروضة الندية (۳٥۸/۱)]

(٥) [رواه الطبرانی فی المجمع الزوائد (۲۰٥/۲) یہ بات حافظ ابن حجرؒ نے نقل فرمائی ہے۔ تلخيص الحبير (۸٥/۲)]

ہے واجب نہیں۔ نہ تو جان بوجھ کر اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہوگی اور نہ ہی بھول کر اور مجھے اس میں کسی اختلاف کا بھی علم نہیں۔ اگر کوئی تکبیر بھول جائے اور قراءت شروع کر دے تو دوبارہ اس کا اعادہ نہیں کرے گا۔(۱) نواب صدیق حسن خانؒ نے فرمایا ہے کہ اور حاصل یہ ہے کہ یہ (تکبیر) سنت ہے جان بوجھ کر یا بھول کر اس کے چھوڑنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔(۲) امام شوکانیؒ نے جمہور کی رائے کو ہی ترجیح دی ہے۔(۳)

اگر کسی کو تکبیرات کے عدد میں شک ہو جائے:

امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ جب تکبیرات کے عدد میں شک ہو جائے تو یقین پر بنیاد رکھے (یعنی جتنی تکبیروں کا یقین ہو اتنی شمار کر لے)۔(٤)

تکبیرات عیدین کے ساتھ رفع الیدین:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (عید کی) ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے جیسا کہ امام ابن قیمؒ نے یہ بات نقل فرمائی ہے۔(٥) اس اثر کے متعلق شیخ البانیؒ رقمطراز ہیں کہ ''ابھی تک ایسا کوئی اثر مجھے نہیں ملا'' اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ''اس کے متعلق میں نے کچھ نہیں سنا۔''(٦) امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اوزاعیؒ اور امام عطاؒ فرماتے ہیں کہ ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا جائے گا جبکہ امام مالکؒ، امام ابن حزمؒ اور امام ثوریؒ کا کہنا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی تکبیر میں رفع الیدین نہ کیا جائے۔(۷) شیخ البانیؒ رقمطراز ہیں کہ یہ عمل مسنون نہیں نیز کسی صحابی کا عمل کسی کام کو سنت نہیں بنا سکتا۔(۸) تاہم جو لوگ تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت اور

---

(۱) [المغنی (۲۷٥/۳)]
(۲) [الروضة الندية (۳٦۱/۱)]
(۳) [نيل الأوطار (٦۰۲/۲)]
(٤) [المغنی (۲۷٦/۳)]
(٥) [زاد المعاد (٤٤۳/۱)]
(٦) [تمام المنة (ص ۳٤۹) المدونة الكبرى (۱٦۹/۱)]
(۷) [الأوسط لابن المنذر (۲۸۲/٤) المدونة الكبرى (۱٦۹/۱) المحلى (۸۳/٥) المجموع (۲۱/٥)]
(۸) [تمام المنة (ص ۳٤۹)]

ہر اس تکبیر میں دونوں ہاتھ اٹھاتے جو آپ ﷺ رکوع سے پہلے کہتے۔(۱)

ہمارے علم کے مطابق عیدین کی تکبیروں میں رفع الیدین کرنا کسی صحیح حدیث واثر سے ثابت نہیں اور مذکورہ روایت بھی اس مسئلے میں واضح دلیل نہیں۔ (واللہ اعلم)(۲)

جو تشہد میں امام سے ملے وہ کیا کرے؟:

ایسے شخص کو چاہیے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو کر نماز عید کے طریقے کے مطابق دو رکعت نماز ادا کر لے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں مطلق طور پر ذکر ہے کہ امام کے ساتھ جتنی نماز ملے وہ پڑھ لینی چاہیے اور جو رہ جائے اسے بعد میں پورا کر لینا چاہیے۔(۳)

امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ اگر امام کو تشہد میں پائے تو اس کے ساتھ بیٹھ جائے اور جب امام سلام پھیر دے تو کھڑا ہو جائے اور دو رکعتیں ادا کرے اور ان رکعتوں میں تکبیریں بھی کہے کیونکہ اس نے ایسی نماز کا کچھ حصہ پایا ہے جو چار رکعتوں کے بدلے میں لی ہوئی نہیں ہے تو ساری نمازوں کی طرح اس کے طریقے کے مطابق ہی اسے پورا کر لے۔(٤) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔(٥)

امام نماز کے بعد خطبہ دے:

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبے سے پہلے نماز عید ادا فرماتے تھے۔(٦)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے کہ یہ سب لوگ خطبے سے پہلے نماز عید پڑھتے تھے۔(۷)

(3) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ عید الفطر کے دن باہر نکلے اور آپ نے

---

(۱) [صحیح: ارواء الغلیل (۱۱۳/۳) ابو داود (۷۲۲) احمد (۱۳٤/۲)]

(۲) [مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: فتاوی الدین الخالص (۸۸/٤ ۔ ۹۰)]

(۳) [بخاری (٦۳٦) كتاب الأذان : باب لا يسعى إلى الصلاة وليأت بالسكينة والوقار]

(٤) [المغنی (۲۸٥/۳)]

(٥) [فتاوى اللجنة الدائمة (۳۰۷/۸)]

(٦) [بخاری (۹٦۳) مسلم (۸۸۸) ترمذی (٥۲۹) ابن ماجة (۱۲۷٦)]

(۷) [بخاری (۹٦۲) مسلم (۸۸٤) أبو داود (۱۱٤۷) ابن ماجة (۱۲۷٤)]

خطبے سے پہلے نماز پڑھائی۔ (۱)

(4) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے لیے عیدگاہ تشریف لے جاتے اور پہلی چیز جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آغاز فرماتے وہ نماز ہوتی۔ ادائیگی نماز کے بعد رخ پھیر کر لوگوں کی طرف کھڑے ہوتے' لوگ اس وقت اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے اور آپ ان کو وعظ و نصیحت فرماتے اور نیکی کا حکم کرتے۔ (۲)

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ نماز کے بعد ارشاد فرماتے اور خطبے میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید پڑھائی' پھر آپ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور آپ نے اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا' اطاعت کی ترغیب دلائی' لوگوں کو وعظ و نصیحت کی' پھر آپ چلے حتی کہ عورتوں کے پاس آئے اور انہیں بھی وعظ و نصیحت کیا۔ (۳)

سب سے پہلے جس شخص نے نماز عید سے پہلے خطبہ دے کر سنت کی مخالفت کی تھی وہ مروان (اموی خلیفہ) تھا یہی وجہ ہے کہ اسی وقت ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا تھا' اے مروان! تو نے سنت کی مخالفت کی ہے۔'' (وہ اس طرح کہ) تو نے نماز سے پہلے خطبہ شروع کر دیا ہے۔ (٤) علاوہ ازیں ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ نماز عید سے پہلے خطبہ جس شخص نے سب سے پہلے شروع کیا تھا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ (٥) امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ نماز عید خطبے سے پہلے ادا کی جائے۔ (٦)

خطبہ عید کا حکم:

حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید میں حاضر ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل کی تو فرمایا ''یقیناً ہم خطبہ دیں گے پس جو خطبے کے

---

(۱) [بخاری (۹٥۸) مسلم (۸۸٥) أبو داود (۱۱٤۱) ابن خزیمة (۱٤٥۹)]

(۲) [بخاری (۹٥٦) مسلم (۸۸۹) نسائی (۱۸۷/۳)]

(۳) [مسلم (۸۸٥) کتاب صلاة العیدین' نسائی (۱۸٦/۳)]

(٤) [مسلم (٤۹) أبو داود (۱۱٤۰' ٤۳٤۰) ترمذی (۲۱۷۲)]

(٥) [عبدالرزاق (٥٦٤٦)]

(٦) [نیل الأوطار (٥۹۳/۲)]

لیے بیٹھنا پسند کرے وہ بیٹھ جائے اور جو جانا پسند کرے وہ چلا جائے۔"(۱)

نماز عید کا صرف ایک خطبہ ہے:

گزشتہ تمام احادیث جن میں خطبے کا ذکر ہے وہ سب اس کی دلیل ہیں کیونکہ ان میں محض خطبہ دینے کا ہی ذکر ہے جو ایک مرتبہ خطبہ دینے کی تو دلیل ہے لیکن دو خطبوں کے لیے کوئی واضح دلیل ہونی چاہیے جو کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں' تاہم اس ضمن میں چند ضعیف روایات موجود ہیں جن میں سے ایک یہ ہے: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اذان اور اقامت کے بغیر نماز عید پڑھاتے اور کھڑے ہو کر دو خطبے دیتے اور ان دونوں کے درمیان بیٹھ کر فاصلہ کرتے۔(۲)

خطبہ عید کو جمعہ کے خطبوں پر قیاس کرنا بھی کسی طور پر درست نہیں کیونکہ عبادات میں قیاس کا دخل نہیں۔ علاوہ ازیں جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد حضرات کو خطبہ دینے کے بعد خواتین کے پاس جا کر انہیں وعظ و نصیحت کی' اس سے بھی دوسرے خطبے کی مشروعیت کے لیے دلیل پکڑنا درست نہیں کیونکہ دوسری روایت میں یہ وضاحت ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور آپ نے یہ خیال کیا کہ آپ عورتوں کو نہیں سنا سکے لہٰذا آپ ان کے پاس آئے اور انہیں نصیحت کی۔(۳)

حافظ عبد المنان نور پوری حفظہ اللہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ عیدین کا ایک خطبہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے البتہ عیدین کے لیے دو خطبے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں' دو خطبے والی کوئی ایک روایت بھی درجہ احتجاج و قبول تک نہیں پہنچتی۔ رہا عدد میں خطبۂ عیدین کو خطبہ جمعہ پر قیاس کرنا تو اس کی شرعاً کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ (واللہ اعلم) مزید فرماتے ہیں کہ (درج بالا احادیث میں موجود) الفاظ الْخُطْبَةَ ' خَطَبَ اور يَخْطُبُ کی دلالت ایک خطبہ پر تو واضح ہے اور دو کے لیے دلیل درکار ہے جو موجود نہیں پھر ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ والی مندرجہ بالا حدیث

---

(۱) [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (۱۱۵۵) ابن ماجة (۱۲۹۰) نسائی (۱۸۵/۳)]

(۲) [كشف الأستار للبزار (۳۱۵/۱' ۶۵۷)] شیخ البانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہ تو صحیح ہے اور نہ ہی حسن۔[تمام المنة (ص/۳۴۸)]

(۳) [مسلم (۱٤٦٥) ابن ماجة (۱۲٦۳)]

میں رسول اللہ ﷺ کے خطبہ عید کی جو مختصر تفصیل مذکور ہے وہ بھی ایک ہی خطبہ پر دال ہے'ایک عید کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے عورتوں کو وعظ و تذکیر سے دوسرے خطبہ پر استدلال درست نہیں۔

اولاً: اس لیے کہ مدعا اور رائج دوسرا خطبہ آپ ﷺ کے اس وعظ سے مختلف ہے۔

ثانیاً: اس لیے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی مذکور بالا حدیث میں ہے ﴿ فَلَمَّا فَرَغَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ نَزَلَ ﴾ تو آپ ﷺ کا یہ وعظ صلاۃ عید اور خطبہ عید سے فراغت کے بعد تھا۔

ثالثاً: اس لیے کہ صحیح مسلم (۱/۲۸۹) میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ﴿ أَشْهَدُ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي قَبْلَ الْخُطْبَةِ قَالَ : ثُمَّ خَطَبَ ، فَرَأَى أَنَّهُ لَمْ يُسْمِعِ النِّسَاءَ ، فَأَتَاهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ ﴾ الحدیث۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ ﴿ ثُمَّ خَطَبَ الخ ﴾ ان کے الفاظ ﴿ يُصَلِّي قَبْلَ الْخُطْبَةِ ﴾ کی تفصیل و تفسیر ہے تاسیس نہیں لہٰذا ان کے ان الفاظ سے بھی دوسرے خطبہ پر استدلال صحیح نہیں۔ (واللہ اعلم) (۱)

خطبہ عید کے لیے منبر مشروع نہیں:

کیونکہ سنت نبوی سے یہی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے (نماز عید کے متعلق ایک) روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نماز کی ادائیگی کے بعد رخ پھیرتے ﴿ فَيَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ ﴾ ''اور لوگوں کے بالمقابل کھڑے ہو جاتے۔'' اور تمام لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے آپ انہیں وعظ و نصیحت فرماتے' اچھی باتوں کا حکم دیتے۔ اگر جہاد کے لیے کہیں لشکر بھیجنے کا ارادہ ہوتا تو اس کو الگ کرتے۔ کسی اور بات کا حکم دینا ہوتا تو وہ دیتے۔ اس کے بعد شہر واپس تشریف لاتے۔ (۲)

یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ نے منبر استعمال نہیں فرمایا۔ (۳) صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ''سب سے پہلے مروان نے عیدگاہ میں منبر رکھوایا۔'' (٤) تاہم ابن

---

(۱) [احکام و مسائل (۱/۲۵٤-۲۵٦)]

(۲) [بخاری (۹۵٦) مسلم (۸۸۹)]

(۳) [سبل السلام (۲/٦۷۹)]

(٤) [بخاری (۹۵٦)]

حبان کی روایت میں ہے کہ ''نبی ﷺ نے اپنی سواری پر خطبہ عید ارشاد فرمایا۔''(۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی سواری وغیرہ پر بیٹھ کر خطبہ دینا مباح ودرست ہے۔

ایک شخص نماز عید پڑھائے اور دوسرا خطبہ دے:

سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ مسنون یہ ہے کہ نماز عید میں ایک ہی شخص لوگوں کی امامت کرائے اور خطبہ دے لیکن اگر ایک شخص نماز میں امامت کرائے اور کوئی دوسرا خطبہ دے تو یہ بھی کفایت کر جائے گا جیسے جمعہ میں کفایت کر جاتا ہے۔(۲)

عورتوں کو وعظ ونصیحت:

امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے کہ ﴿بَابُ مَوْعِظَةِ الْإِمَامِ النِّسَاءَ يَوْمَ الْعِيدِ﴾ ''باب امام کا عید کے دن عورتوں کو نصیحت کرنا۔'' اور اس کے تحت یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عید الفطر کی نماز پڑھی۔ پہلے آپ نے نماز پڑھی اس کے بعد خطبہ دیا۔ جب آپ خطبہ سے فارغ ہو گئے تو اترے اور عورتوں کی طرف آئے۔ پھر انہیں نصیحت فرمائی۔ آپ ﷺ اس وقت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا سہارا لیے ہوئے تھے۔ بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا کپڑا پھیلا رکھا تھا جس میں عورتیں صدقہ ڈال رہی تھیں۔(۳)

یاد رہے کہ آج کل چونکہ لاؤڈ سپیکر کے ذریعے مردوں کے ساتھ ہی عورتوں تک بھی خطبہ کی آواز پہنچ جاتی ہے لہٰذا عورتوں کی طرف الگ وعظ ونصیحت کے لیے جانے کی ضرورت نہیں اور نبی کریم ﷺ نے بھی عورتوں کو الگ اس لیے وعظ فرمایا تھا کہ ان تک آواز نہیں پہنچی تھی جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ امام عطاءؒ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھی پھر آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا تو آپ ﷺ کو خیال آیا کہ آپ عورتوں کو نہیں

---

(۱) [الإحسان (٦٥/٧)(٢٨٢٥) أبو يعلى (١١٨٢) امام ہیثمیؒ نے اس کے رجال کو صحیح کے رجال کہا ہے۔ [المجمع (٢٠٥/٢) اس حدیث کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے جیسا کہ شیخ شعیب ارنؤوطؒ نے نقل کیا ہے۔ [التعليق على سبل السلام للشيخ صبحي حسن حلاق (٢٣١/٣)]

(۲) [فتاوى اللجنة الدائمة (٣٠٣/٨)]

(۳) [بخاری (٩٧٨) كتاب العيدين : باب موعظة الإمام النساء يوم العيد]

سنا سکے اس لیے آپ ان کے پاس آئے' انہیں وعظ ونصیحت کیا اور انہیں صدقہ کا حکم دیا۔(۱)

اس حدیث کی شرح میں امام نوویؒ نقل فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں خواتین کو آخرت اور اسلامی احکام کے بارے میں وعظ ونصیحت کرنے اور انہیں صدقہ کی ترغیب دلانے کے استحباب کا بیان ہے۔(۲)

نمازِ عید کے بعد مبارکباد دینا:

اس سلسلہ میں نبی ﷺ سے تو کچھ ثابت نہیں البتہ صحابہ سے بعض آثار ملتے ہیں۔

(1) شیخ البانیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ محمد بن زیاد نے کہا' میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ اور نبی کریم ﷺ کے دیگر صحابہ کے ساتھ تھا وہ جب (نمازِ عید سے) واپس لوٹتے تو ایک دوسرے سے کہتے ﴿تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْکَ﴾ امام احمد بن حنبلؒ نے کہا ہے' اس کی سند جید ہے۔(۳)

(2) حافظ ابن حجرؒ نے جبیر بن نفیلؒ کے متعلق روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ عید کے دن جب ملتے تو ایک دوسرے کو کہتے ﴿تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْکَ﴾۔(٤)

نمازِ عید کی قضا:

اگر کوئی نمازِ عید کی قضا دینا چاہے تو اسے دو رکعت نماز ادا کر لینی چاہیے اور اس میں اسی طرح تکبیریں اور ذکر کرنا چاہیے جیسے نمازِ عید میں کیا جاتا ہے۔(واللہ اعلم) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ نمازِ عیدین فرضِ کفایہ ہے (یعنی) اگر اتنے افراد اسے قائم کر دیں جو کافی ہو جائیں تو باقیوں سے گناہ ساقط ہو جائے گا......اور جس کی یہ نماز فوت ہو جائے اور وہ اس کی قضا دینا چاہے تو اس کے لیے ایسا کرنا مستحب ہے لہٰذا وہ خطبہ کے بغیر اس نماز کے طریقے کے مطابق اسے ادا کر لے۔(٥)

---

(۱) [مسلم (۸۸٤) ابن ماجة (۱۲۷۳'۱۲۷٤) شرح السنة (۱۱۰۲)]

(۲) [شرح مسلم (۱۹۳/٤)]

(۳) [تمام المنة (ص/۳۵۵)]

(٤) [فتح الباری (٤٤٦/۲) حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے اور شیخ البانیؒ نے بھی یہ بات نقل فرمائی ہے۔[تمام المنة (ص/۳۵٦)]

(٥) [فتاوی اللجنة الدائمة (۳۰٦/۸)]



عیدگاہ سے واپسی پر راستہ تبدیل کرنا:

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَانَ يَوْمُ عِيدٍ خَالَفَ الطَّرِيقَ ﴾ ''جب عید کا دن ہوتا تو نبی ﷺ راستہ تبدیل کر لیتے۔''(۱)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ عید کے روز جب کسی راستے سے نکلتے تو واپسی پر کسی دوسرے راستے سے لوٹتے۔(۲)

عید اگر جمعہ کے روز آ جائے:

ایسی صورت میں نماز عید تو معمول کے مطابق ہی ادا کی جائے گی البتہ جمعہ میں اختیار ہوگا یعنی اگر کوئی چاہے تو مسجد میں حاضر ہو کر جمعہ پڑھ لے اور اگر چاہے تو نہ پڑھے لیکن یہ بات یاد رہے کہ جمعہ نہ پڑھنے والے پر نماز ظہر کی اکیلے یا باجماعت ادائیگی بہر صورت ضروری ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بلاشبہ نبی ﷺ نے بروز جمعہ نماز عید پڑھائی پھر جمعہ کی رخصت دیتے ہوئے فرمایا کہ جو جمعہ پڑھنا چاہے پڑھ لے۔(۳)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''یقیناً تمہارے اس دن میں دو عیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں پس جو چاہے اسے (نمازِ عید ہی) نمازِ جمعہ سے کفایت کر جائے گی لیکن ہم تو جمعہ ادا کریں گے۔''(٤)

یاد رہے کہ '' إنا مجمعون '' سے یہ مراد نہیں کہ یہ رخصت محض عوام کے لیے ہے امام کے لیے نہیں بلکہ یہاں صرف یہی منقول ہے کہ آپ ﷺ نے رخصت نہیں بلکہ عزیمت کو اختیار کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ کے لیے یہ رخصت موجود ہی نہ تھی جیسا کہ اس کی وضاحت اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں نماز عید پڑھائی لیکن نماز جمعہ نہیں پڑھائی بلکہ لوگ انتظار ہی کرتے رہے حتی

(۱) [بخاری (۹۸٦) کتاب الجمعة]

(۲) [**صحيح** : صحيح ترمذی ' ترمذی (٥٤١) ابن ماجة (۱۳۰۱) احمد (۳۳۸/۲)]

(۳) [**صحيح** : صحيح ابو داود ' ابو داود (۱۰۷۰) احمد (۳۷۲) ابن ماجة (۱۳۱)]

(٤) [**صحيح** : صحيح ابو داود ' ابو داود (۱۰۷۳) ' ابن ماجة (۱۳۱۱)]

کہ انہوں نے اکیلے نماز پڑھ لی۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ﴿ أَصَابَ السُّنَّةَ ﴾ ''ابن زبیر رضی اللہ عنہ سنت کو پہنچ گئے۔'' (۱)

بروز جمعہ عید ہو تو کیا ظہر پڑھی جائے گی:

یا اس کی بھی ضرورت نہیں ؟ اس کے متعلق امام عطاء سے مروی ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک مرتبہ جمعہ اور عید الفطر ایک ہی دن میں اکٹھے ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ ایک ہی دن میں دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں' پھر انہوں نے ان دونوں کو اس طرح اکٹھے جمع کیا کہ صبح کے وقت ان دونوں نمازوں کے لیے دو رکعت نماز ادا کر لی اس سے زائد کچھ نہ پڑھا تا آنکہ نماز عصر ادا کی۔ (۲)

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ انہوں نے نماز ظہر نہیں ادا کی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً اگر کسی وجہ سے جمعہ ساقط ہو جائے تو جس سے ساقط ہوا ہے اس پر نماز ظہر کی ادائیگی بھی واجب نہیں جیسا کہ امام عطاؒ بھی اسی کے قائل ہیں ......اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بات وہی لوگ کہتے ہیں جو جمعہ کو اصل قرار دیتے ہیں۔ اور آپ کو اس بات کا علم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بروز جمعہ بندوں پر جو فرض ہے وہ محض نماز جمعہ ہی ہے لہٰذا کسی عذر یا بغیر کسی عذر کے نماز جمعہ چھوڑنے والے شخص پر نماز ظہر کو واجب قرار دینے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے......اور میرے علم کے مطابق ایسی کوئی صحیح دلیل موجود نہیں۔ (۳)

امام صنعانیؒ رقمطراز ہیں کہ ① یہ بات مخفی نہیں کہ عطاءؒ نے یہ خبر دی ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نماز جمعہ کے لیے نہیں نکلے لیکن محض اتنی بات اس میں نص قطعی کی حیثیت نہیں رکھتی کہ انہوں نے گھر میں بھی نماز ادا نہیں کی اس لیے بالجزم یہ کہنا کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا موقف بھی یہی تھا کہ نماز ظہر ضروری نہیں' اس احتمال کی وجہ سے صحیح نہیں کہ عین ممکن ہے انہوں نے وہ نماز گھر میں ہی پڑھ لی ہو۔ ② بلکہ اس کی مزید تائید امام عطاءؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ ﴿ أَنَّهُمْ صَلُّوا وُحْدَانًا ﴾ ''لوگوں نے اکیلے اکیلے نماز ادا کر لی۔'' اور (اس کے

---

(۱) [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۱۰۷۱) نسائی (۱۹٤/۳)]

(۲) [صحیح : صحیح ابو داود' أبو داود (۱۰۷۲)]

(۳) [نیل الأوطار (۵۷۸/۲) معنا ومفهوما]

برخلاف) بالاتفاق نماز جمعہ جماعت کے ساتھ ہی درست ہے (لہٰذا انہوں نے جمعہ نہیں پڑھا بلکہ صرف نماز ظہر ہی اکیلے ادا کر لی)۔ ③ اور یہ کہنا کہ جمعہ کے دن نمازِ جمعہ اصل ہے اور نماز ظہر کا بدل ہے، مرجوح قول ہے بلکہ اصل فرض جو اسراء کی رات مقرر کیا گیا وہ ظہر ہی ہے اور جمعہ کی فرضیت متاخر ہے پھر (یہ مسئلہ بھی محتاج بیان نہیں کہ) جب جمعہ رہ جائے تو نمازِ ظہر پڑھنا اجماعاً واجب ہے تو (ثابت ہوا کہ) جمعہ ظہر کا بدل ہے (نہ کہ ظہر جمعہ کا بدل)۔[1] علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ نے امیر صنعانیؒ کے قول کو ہی درست قرار دیا ہے۔[2]

عید کے دن روزے کا حکم:

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دنوں کے روزے سے منع فرمایا ہے یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن۔''[3]

(2) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عید کے دن میں کوئی روزہ نہیں۔''[4]

امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ ان دونوں دنوں (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) کے روزے کی حرمت پر علماء نے اجماع کیا ہے خواہ کوئی نذر کے یا نفلی یا کفارہ کے یا اس کے علاوہ کوئی اور روزے رکھے (سب ممنوع ہیں)۔''[5]

ایام تشریق میں روزے کا حکم:

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ أَيَّامُ مِنًى أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ ﴾ ''منیٰ کے دن کھانے اور پینے کے دن ہیں۔''[6]

---

(۱) [سبل السلام (۲/۶۴۶)]

(۲) [عون المعبود (۳/۲۸۸)]

(۳) [صحیح: صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان (۳۵۹۸) شیخ شعیب ارنؤوط نے اسے صحیح کہا ہے۔[أیضا] مسلم (۱۱۳۸) بخاری (۱۹۹۳)]

(٤) [صحیح: صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان (۳۵۹۹) شیخ شعیب ارنؤوط نے اسے صحیح کہا ہے۔[أیضا] أحمد (۳/۷) بخاری (۱۱۹۷) ابن ماجة (۱۷۲۱)]

(٥) [شرح مسلم (٤/۲۷۱)]

(٦) [صحیح: صحیح ابن حبان (۳۶۰۱) شیخ شعیب ارنؤوط نے اسے حسن کہا ہے۔[أیضا] ابن ماجة (۱۷۱۹) حافظ بوصیری نے اسے صحیح کہا ہے۔[(مصباح الزجاجة (۲/۲٦)]

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو ایام منیٰ میں طواف کرنے کا حکم دیا (اور فرمایا) ''خبردار ان دنوں میں روزہ نہ رکھو کیونکہ یہ کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں۔''(۱)

(3) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ کا دن' عیدالاضحیٰ کا دن اور ایام تشریق ہم اہل اسلام کی عید (کے دن) ہیں' یہ کھانے اور پینے کے دن ہیں۔''(۲)

عید کے دن جہادی مظاہرہ:

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے ''اور عید کا دن تھا۔ حبشہ سے کچھ لوگ ڈھالوں اور برچھوں سے کھیل رہے تھے۔ اب یا خود میں نے کہا یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم یہ کھیل دیکھو گی؟ میں نے کہا' ہاں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا۔ میرا رخسار آپ کے رخسار پر تھا اور آپ فرما رہے تھے کھیلو کھیلو اے بنی ارفدہ! (یہ حبشہ کے لوگوں کا لقب تھا) پھر جب میں تھک گئی تو آپ نے فرمایا ''بس!'' میں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا ''جاؤ۔''(۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر عید کے دن ایسے کرتب دکھائے جائیں تو جائز ہے۔

عید کے دن مباح کھیل کود:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کے دو روز کھیل کود کے لیے مقرر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دونوں (دنوں) کے بدلہ میں ان سے بہتر دن عنایت فرما دیئے ہیں۔ ایک عیدالاضحیٰ کا دن اور دوسرا عیدالفطر کا۔''(٤)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدین کے روز کھیل کود اور اظہارِ مسرت جائز ہے۔ البتہ مشرکین و کفار کی عیدوں پر خوشی اور مسرت کا اظہار مکروہ ہے یا بقول بعض حرام ہے۔

---

(۱) [أحمد (۵۱۳/۲) طحاوی (۲٤٤/۲)]

(۲) [صحیح: صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان (۳٦۰۳) شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ایضا] ابو داود (۲٤۱۹) ترمذی (۷۷۳) حاکم (٤۳٤/۱)]

(۳) [بخاری (۹۵۰) کتاب العیدین]

(٤) [صحیح: ابو داود (۱۱۳٤) نسائی (۱۷۹/۳)]



عید کے دن بیہودگی سے پاک اشعار کہنا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو میرے پاس انصار کی دولڑکیاں وہ اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے بعاث کی جنگ کے موقع پر کہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ گانے والیاں نہیں تھیں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ شیطانی باجے۔ یہ عید کا دن تھا' آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ﴿ يَـا أَبَا بَكْرٍ ! إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَ هَذَا عِيدُنَا ﴾ ''اے ابوبکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور آج یہ ہماری عید ہے۔''(۱)

اس حدیث کی شرح میں مولانا داودراز رقمطراز ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید کے روز ایسے گیت گانے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ یہ دن شرعاً خوشی کا دن ہے پھر اگر چھوٹی لڑکیاں کسی کی تعریف یا کسی کی بہادری کے اشعار خوش آواز سے پڑھیں تو جائز ہے کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رخصت دی۔ لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ گانے والی جوان عورت نہ ہو اور راگ کا مضمون شرع کے خلاف نہ ہو اور صوفیوں نے جو اس باب میں خرافات اور بدعات نکالی ہیں ان کی حرمت میں بھی کسی کا اختلاف نہیں اور نفوس شہوانیہ بہت صوفیوں پر غالب آ گئے یہاں تک کہ بہت صوفی دیوانوں اور بچوں کی طرح ناچتے ہیں اور ان کو تقرب الی اللہ کا وسیلہ جانتے ہیں اور نیک کام سمجھتے ہیں اور یہ بلاشک وشبہ زنادقہ کی علامت ہے اور بے ہودہ لوگوں کا قول۔ واللہ المستعان (تسہیل القاری' پ:۴/ص:۳۶۲/۳۹)۔

عیدین کے متعلق ایک من گھڑت روایت:

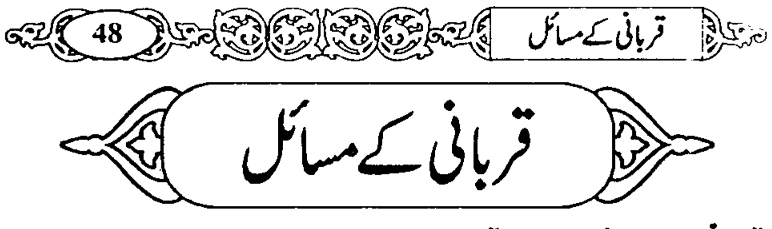
﴿ مَنْ أَحْيَى لَيْلَةَ الفِطْرِ وَالْأَضْحَى لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوتُ الْقُلُوبُ ﴾

''جس شخص نے (عبادت واذکار کے ذریعے) عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات کو زندہ رکھا تو جس دن دلوں کو موت آئے گی اس کا دل نہیں مرے گا۔''(۲)

---

(۱) [بخاری (۹۵۲) کتاب العیدین : باب سنة العیدین لاھل الإسلام]

(۲) [موضوع : الضعیفة (۵۲۰'۵۲۱)]



قربانی کے مسائل

قربانی کا معنی و مفہوم اور وجہ تسمیہ:

لفظ قربانی قربان سے مشتق ہے اور لغوی اعتبار سے قربان سے مراد ''ہر وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالی کا تقرب حاصل کیا جائے چاہے ذبیحہ ہو یا کچھ اور۔''(۱) صاحب قاموس فرماتے ہیں کہ ''اور قربان 'ضمہ کے ساتھ' یہ ہے کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے۔''(۲) صاحب معجم الوسیط فرماتے ہیں کہ ''قربان ہر وہ چیز ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے خواہ وہ ذبیحہ ہو یا اس کے علاوہ کچھ اور۔(۳) بعض علماء نے کہا ہے کہ لفظِ قربانی قرب سے مشتق ہے چونکہ اس عمل کے ذریعے قرب الٰہی حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اسی لیے اسے قربانی کا نام دیا گیا ہے۔ اصطلاحی اعتبار سے قربانی سے مراد اونٹ' گائے اور بھیڑ بکریوں وغیرہ میں سے کوئی جانور عیدالاضحیٰ کے دن اور ایام تشریق میں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے قربان کرنا ہے۔(٤)

فرزندان توحید کی عظیم قربانی:

ہر بلند درجہ کے پیچھے کوئی نہ کوئی بڑی قربانی ضرور موجود ہوتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''بڑی جزا عظیم آزمائشوں سے گزر کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔''(٥)

حضرت ابرہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر اونچا مقام عطا فرمایا کہ انہیں اپنا خلیل بنایا' انبیاء کا جد امجد بنایا' آپ کے بیٹے اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں انبیائے بنی اسرائیل کا ایک طویل سلسلہ جاری فرمایا' آپ کے ہاتھوں سے اپنا گھر بیت اللہ تعمیر کرایا' تمام انبیاء کے سید و امام حضرت محمد ﷺ کو بھی آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے پیدا فرمایا اور جنت میں آپ علیہ السلام کے لیے ایک محل تعمیر کرایا۔ یہ تمام درجات و انعامات حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گھر بیٹھے حاصل نہیں ہوئے بلکہ ان کے پیچھے آزمائشوں اور قربانیوں کا طویل

---

(۱) [مصباح اللغات (ص/٦٦٨)]

(۲) [القاموس المحیط (ص/١٢٧)]

(۳) [المعجم الوسیط (ص/٧٢٣)]

(٤) [فقه السنة از سید سابق (١٩٥/٣)]

(٥) [حسن: صحیح الجامع الصغیر (٢١١٠) ترمذی (٢٣٩٦)]

سلسلہ ہے جنہیں آپ علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی میں حنیفیت تامہ کی عملی تفسیر وتعبیر بن کر ہر مرتبہ کامل موحد کی طرح خندہ پیشانی سے قبول کیا اور ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے۔

غیر اللہ کی عبادت سے انکار کیا' جھوٹے خداؤں کی خدائی کا پردہ چاک کیا' موروثی روایات کو پاؤں کی ٹھوکر پر رکھا' بت پرستوں کے خودساختہ خداؤں کو توڑ ڈالا' آگ میں گرنے کی نوبت آئی تو بلا تامل چھلانگ لگادی' وطن چھوڑنا پڑا تو والدین' گھر' جائیداد اور دوسرا مال ومتاع سب پاؤں کی ٹھوکر پر رکھ کر دین کی خاطر ہجرت کر گئے' زوجہ محترمہ اور لخت جگر کو بے آب وگیاہ اور لق ودق صحرا میں چھوڑنے کا مرحلہ آیا تو انہیں بھی اللہ کے سہارے چھوڑ آئے۔ بڑھاپے کی عمر میں اللہ سے دعائیں مانگ مانگ کر حاصل ہونے والا نور نظر اور آنکھوں کی ٹھنڈک بچہ اسماعیل علیہ السلام بھی اللہ کے حکم پر ذبح کرنا پڑا تو چھری چلاتے ہوئے بوڑھے باپ کے ہاتھ نہ کانپے۔

ہاں یہ ہیں وہ قربانیاں جن کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو عظیم درجات سے نوازا۔ یہاں چونکہ قربانی کے حوالہ سے ذبح کا قصہ مقصود ہے لہٰذا آئندہ سطور میں بالاختصار یہی بیان کیا جارہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن سے ہجرت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے بڑھاپے کا سہارا ان الفاظ میں طلب فرمایا ﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ [الصافات : ۱۰۰] ''اے میرے رب! مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما۔'' تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴾ [الصافات : ۱۰۱] ''تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔'' امام ابن کثیرؒ کے قول کے مطابق اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی (86) برس تھی۔ (۱)

یہ بچہ جب بلوغت کی عمر کو پہنچ گیا' دوڑ دھوپ کرنے کے قابل ہو گیا اور بوڑھے والدین کا سہارا بننے کے لائق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا کہ وہ اپنے جگر کے ٹکڑے کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر رہے ہیں۔ اب یہ خواب کسی عام انسان کا نہیں تھا کہ جسے محض پراگندہ اوہام وخیالات تصور کر کے نظر انداز کر دیا جاتا بلکہ اللہ کے نبی کا خواب تھا اور انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ﴿ رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ ﴾ ''انبیاء کے خواب وحی ہیں۔'' (۲) اس لیے آپ علیہ السلام فورا بلا جھجک اللہ کے اس حکم کی

---

(۱) [قصص الأنبياء (۱۴۱/۱)]

(۲) [بخاری (۱۳۸/۱) طبرانی کبیر (۱۲۳۰۲/۱۲) مجمع الزوائد (۱۷۶/۶)]

تابعداری کے لیے کمربستہ ہوگئے اور بیٹے سے کہا ﴿ يٰبُنَيَّ إِنِّيْ أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيْ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ﴾ [الصافات: ١٠٢] ''اے بیٹے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اب تو ہی بتا تیری کیا رائے ہے۔'' جذبۂ اطاعت سے سرشار بیٹے نے بغیر کسی ہچکچاہٹ اور غور وفکر کے فوراً جواب دیا ﴿ يٰٓأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ [الصافات: ١٠٢] ''ابا جان! جو حکم ہوا ہے اسے بجالایئے ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔''

اللہ کی قسم! یہ جواب والد اور اللہ ذوالجلال کی بے مثال اطاعت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اگر آج کا کوئی نوجوان ہوتا تو ضرور کہتا کہ ابا جان! اگر مجھے ذبح کرنا تھا تو پیدا ہی کیوں کیا تھا لیکن اسماعیل علیہ السلام نے کمال جذبۂ صبر کا مظاہرہ کیا اور سر تسلیم خم کر دیا پھر ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام کو لے کر ایک جگہ گئے اور انہیں کروٹ پر لٹا دیا پھر اللہ کا نام لے کر چھری بھی چلا دی۔ لیکن وہ ذبح نہ کر سکی کیونکہ اللہ تعالیٰ اس جذبۂ ایثار وقربانی کے منظر کو دیکھ چکے تھے اور ابراہیم علیہ السلام ایک بار پھر اس عظیم آزمائش میں کامیاب ہو چکے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے جنت سے ایک دنبہ بھیج دیا جسے اسماعیل علیہ السلام کی جگہ قربان کر دیا گیا جیسا کہ قرآن میں ہے کہ

''غرض جب دونوں مطیع ہو گئے اور اس (باپ) نے اس (بیٹے) کو پیشانی کے بل گرا دیا۔ تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا' بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا۔ اور ہم نے ان کا ذکرِ خیر پچھلوں میں باقی رکھا۔ ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہو۔ ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا۔''

اس کے بعد اس سنتِ ابراہیمی کو قیامت تک کے لیے قربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنا دیا گیا اور عید الاضحیٰ کے دن اسے سب سے پسندیدہ عمل قرار دے دیا گیا۔

قربانی سے مقصود محض جانور ذبح کرنا نہیں:

شریعت کے وہ چند مسائل جو ہماری توجہ کسی نہ کسی تاریخی واقعہ کی طرف مبذول کرتے ہیں ان میں سے ایک قربانی بھی ہے۔ ایسے مسائل سے مقصود محض انہیں مقررہ وقت پر بالفعل اختیار کر لینا ہی نہیں بلکہ ان تاریخی حوادث پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے اس جذبۂ عبادت اور قربانی کی

ناقابل فراموش کنہہ و حقیقت کو سمجھ کر اپنانے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے جس کے باعث یہ مسائل ہماری اسلامی روایات میں جزو لاینفک کی حیثیت اختیار کر گئے جیسا کہ حاجیوں کے لیے صفا مروہ کی سعی کرنا محض ایک دوڑ نہیں بلکہ اس تاریخی واقعہ کی غماز ہے جس میں ایک طرف ننھا سا بچہ شدتِ پیاس کے باعث زمین پر ایڑیاں مارتا نظر آتا ہے اور دوسری طرف اماں ہاجرہ علیہا السلام پانی کی تلاش میں صفا مروہ کی پہاڑیوں کے چکر لگاتی نظر آتی ہیں کہ جنہیں ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی تمام تر محبتیں قربان کر کے مکہ کی بے آب و گیاہ زمین میں تنہا چھوڑ گئے تھے۔

بعینہٖ قربانی کا مسئلہ بھی ہے یعنی عید قربان کے دن جانور ذبح کرنا' کچھ گوشت تقسیم کر دینا' کچھ کھا لینا اور پھر خود کو شریعت کے ہر حکم سے آزاد تصور کرنا اور قربانی کے مقصد یا غرض و غایت پر متانت و سنجیدگی سے غور و فکر نہ کرنا' کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ جانور قربان کرنے کے ساتھ ساتھ ابراہیم علیہ السلام کی مثالی اطاعت و فرمانبرداری اور اثر آفریں عقیدت و ارادت کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ جس کی وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنا کم سن محبوب بیٹا بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کیا۔

اگر چہ چھری ذبح نہ کر سکی اور پھر حکم الٰہی کے مطابق مینڈھا ذبح کر دیا گیا لیکن وہ کیا اللہ تعالیٰ سے محبت ہو گی اور کیا اللہ تعالیٰ کے لیے ہر چیز قربان کر دینے کا جذبہ ہوگا کہ جس کی بدولت وہ اس مشکل ترین عمل سے بھی پیچھے نہ ہٹے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اس محبت و اطاعت کا صلہ یوں دیا کہ اس عمل کو تمام مسلمانوں کے لیے مسنون قرار دے کر قیامت تک کے لیے ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو جاری و ساری فرما دیا۔ لامحالہ ہم سے بھی اسلام صرف جانوروں کی قربانی نہیں چاہتا بلکہ اس جذبۂ اطاعت اور خشیت الٰہی کو بھی اجاگر کرنا چاہتا ہے جس کے ذریعے ہم اپنی ہر چیز بوقت ضرورت اللہ تعالیٰ کی خاطر قربان کر دینے کے لیے تیار ہو جائیں اور یقیناً آج اسلام کو جانوروں کی قربانیوں سے کہیں زیادہ ہماری محبوب ترین اشیاء یعنی مال' اولاد اور جان کی قربانیوں کی ضرورت ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اس عمل کو محض ایک تہوار و رسم سمجھتے ہوئے تفاخر اور ریاء و نمود کا ذریعہ ہی نہ بنا ڈالیں کہ جس کے باعث ہمیں دنیا میں تو اسلامی شعائر و روایات اپنانے کا اعزاز مل جائے لیکن ہماری عقبیٰ تباہ ہو کر رہ جائے بلکہ ہمیں چاہیے کہ اس عمل کے پیچھے چھپی اُس عظیم قربانی کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے ایمانوں کو اس قابل بنائیں جو ہمیں دنیاوی لہو و لعب اور مصنوعی عیش و نشاط سے نکال کر اپنی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر گوشہ رضائے الٰہی کی خاطر قربان کر دینے کے لیے تیار کر دے۔

پچھلی امتوں کے لیے قربانی کی مشروعیت:

قربانی کا عمل صرف اس امت کے لیے ہی نہیں بلکہ پچھلی امتوں کے لیے مشروع تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴾ [الحج : ٣٤] ''اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔ سمجھ لو کہ تم سب کا معبود برحق صرف ایک ہی ہے' تم اسی کے تابع فرمان ہو جاؤ اور عاجزی کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیجیے۔''

اس آیت کا واضح مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف امت محمدیہ کے لیے ہی نہیں بلکہ ہر امت کے لیے قربانی وذبح کے احکام نازل فرمائے ہیں۔

اس امت کے لیے قربانی کی مشروعیت:

قربانی ابراہیم علیہ السلام اور محمد ﷺ دونوں کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان دونوں انبیاء کی سنت اپنانے اور ان کی اتباع کرنے کی تلقین فرمائی ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا ﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ ﴾ [الممتحنة : ٤] ''(مسلمانو!) تمہارے لیے ابراہیم علیہ السلام میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔'' اور دوسری آیت میں فرمایا ﴿ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ﴾ [النحل : ١٢٣] ''تم ابراہیم علیہ السلام کے یکطرفہ دین کی پیروی کرو۔''

اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق فرمایا ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الأحزاب : ٢١] ''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ (موجود) ہے۔'' اور ایک آیت میں فرمایا ﴿ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي ﴾ [آل عمران : ٣١] ''کہہ دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو۔''

علاوہ ازیں مزید قربانی کی مشروعیت کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ [الکوثر : ٢] ''اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔''

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے اور میں بھی دو مینڈھوں کی قربانی کرتا تھا۔(۱)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس کے پاس وسعت و طاقت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی ہرگز نہ آئے۔''(۲)

(4) ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے لوگو! بے شک ہر گھر والوں پر ہر سال قربانی (کرنا مشروع) ہے۔''(۳)

(5) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عہد رسالت میں آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربان کرتا تھا۔(٤)

(6) امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ قربانی کی مشروعیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔(٥)

قربانی کا حکم:

اگرچہ اس کے حکم میں اختلاف ہے اور بعض علماء نے صاحب استطاعت شخص کے لیے اسے واجب بھی قرار دیا ہے لیکن راجح و برحق بات یہ ہے کہ قربانی سنت مؤکدہ ہے اور یہ موقف محض راقم کا ہی نہیں بلکہ درج ذیل کبار علماء بھی یہی موقف رکھتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ''یہ سنت ہے اور یہ امر مشہور ہے۔''(٦) امام ترمذیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے کہ قربانی واجب نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت ہے اور اسی پر عمل کرنا مستحب ہے اور امام سفیان ثوریؒ اور امام ابن مبارکؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۷) امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ قربانی سنت مؤکدہ ہے اور جمہور بھی اسی کے قائل ہیں۔(۸) امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت

---

(۱) [بخاری (٥٥٥٣) کتاب الأضاحی]
(۲) [صحیح: صحیح ابن ماجہ' ابن ماجة (۳۱۲۳) احمد (۳۲۱/۲)]
(۳) [صحیح: صحیح ابن ماجہ' ابن ماجة (۳۱۲٥)]
(٤) [صحیح: صحیح ترمذی' ترمذی (۱٥۰٥) ابن ماجة (۱۳٤۷)]
(٥) [المغنی لابن قدامة (۳٦۰/۱۳)]
(٦) [بخاری قبل الحدیث (٥٥٤٥)]
(۷) [سنن ترمذی (بعد الحدیث/۱٥۰٦)]
(۸) [السیل الجرار (٦٦۸/۳)]

نہیں کہ قربانی واجب ہے جبکہ جمہور علما سے ثابت ہے کہ یہ واجب نہیں اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ (قربانی) دین کے احکامات میں سے ہے۔(۱) شیخ ابن بازؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اہل علم کے دو (مختلف) اقوال میں سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ قربانی سنت مؤکدہ ہے اور مالی وسعت والے شخص پر زیادہ تاکیدوالی ہے۔(۲) امام ابن قدامہؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔(۳)

وہ صورتیں جن میں قربانی واجب ہو جاتی ہے:

حسب ذیل صورتوں میں قربانی واجب ہو جاتی ہے۔

(1) اگر کوئی شخص نذر کے ذریعے اپنے اوپر قربانی واجب کر لے تو اس پر قربانی واجب ہو جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایمان والوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ذکر فرمایا ہے کہ ﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ﴾ [الإنسان : ۷] ''وہ نذر پوری کرتے ہیں۔'' اور ایک فرمانِ نبوی یوں ہے کہ ''جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی نذر مانی وہ اس کی اطاعت کرے (یعنی اس نذر کو پورا کر لے)۔''(٤)

(2) کسی جانور کے متعلق اگر یہ نیت کر لی جائے کہ یہ اللہ کے لیے ہے یا یہ صرف قربانی کے لیے ہے تو پھر اسے اللہ کے لیے قربان کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اب وہ وقف ہو چکا ہے اور وقف چیز کا حکم یہ ہے کہ نہ تو اسے فروخت کیا جا سکتا ہے' نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے وراثت میں تقسیم کیا جا سکتا ہے بلکہ اسے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی صرف کیا جائے گا جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔(٥)

(3) اگر کوئی شخص حالت احرام میں شکار کو قتل کر بیٹھا تو اس پر فدیہ کے طور پر قربانی لازم ہو جائے گی جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ''اے ایمان والو! شکار کو قتل مت کرو جبکہ تم حالت احرام میں ہو اور جو شخص تم میں سے اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس پر فدیہ واجب ہوگا جو کہ مساوی ہوگا اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے۔''

---

(۱) [المحلى (۳۵۸/۷)]

(۲) [فتاوى إسلامية (۳۱٦/۲)]

(۳) [المغنى (۳٦۰/۱۳)]

(٤) [بخارى (٦٦۹٦) كتاب الأيمان والنذور : باب إثم من لا يفى بالنذر]

(٥) [مسلم (٤۲۲٤) كتاب الوصية : باب الوقف]

(4) حج تمتع یا حج قران کرنے والوں کے لیے بھی قربانی کرنا واجب ہے۔[1]

قربانی کے حکم سے متعلقہ چند ضعیف روایات:

(1) ایک روایت میں ہے کہ ''ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے قربانی کے متعلق دریافت کیا کہ کیا یہ واجب ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے پھر اس نے دوبارہ آپ سے وہی سوال کیا تو آپ نے کہا ''کیا تم سمجھ رہے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔''[2]

(2) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے۔''[3]

(3) اور جس روایت میں ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں دس سال مقیم رہے اور قربانی کرتے رہے۔'' وہ بھی ضعیف ہے۔[4]

جو قربانی کی طاقت نہیں رکھتا وہ کیا کرے؟:

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا جا چکا ہے کہ قربانی سنت مؤکدہ اور تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے اس لیے جو قربانی کر سکتا ہے اسے ضرور قربانی کرنی چاہیے لیکن اگر کوئی اس کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو تو یقیناً اسے قربانی نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ تو سنت ہے اور اگر انسان

---

(۱) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: **فقه الحديث** ' از راقم اور مناسک حج 'از البانی'']

(۲) [**ضعيف** : ضعيف ترمذی ' ترمذی (۱۵۰٦)]

(۳) [**ضعيف** : ضعيف ابن ماجة (٦٧٢) ابن ماجة (۳۱۲۷) مولانا مبشر ربانی ﷾ کی تحقیق کے مطابق یہ روایت اس لیے ضعیف ہے کہ اس کی سند میں عائذ اللہ المجاشعی ہے جس کے بارے میں امام بخاریؒ نے فرمایا کہ ''اس کی حدیث صحیح نہیں ہے۔'' امام ابو حاتم نے کہا ''وہ متروک الحدیث ہے۔'' [تنقيح الرواة (۲۸۰)] حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا ''یہ راوی ضعیف ہے۔'' [تقريب التهذيب : ۱٦۲] دوسرا راوی نفیع بن الحارث ابوداؤد میں ہے۔ اس کے بارے میں امام دارقطنیؒ نے فرمایا ''وہ متروک ہے۔'' [تنقيح الرواة (۲۸۰/۱)] امام ہیثمی نے مجمع الزوائد میں فرمایا ''وہ متروک ہے اور اسے حدیث گھڑنے کی تہمت لگائی گئی ہے۔'' حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا ''وہ متروک ہے اور امام ابن معینؒ نے اسے کذاب کہا ہے۔'' [تقريب التهذيب : ۳۵۹] معلوم ہوا کہ نفیع بن الحارث متروک الحدیث اور جھوٹا راوی ہے۔ اس کے علاوہ سلام بن مسکین عائذ اللہ سے روایت کرنے میں منفرد بھی ہے۔ [تنقيح الرواة (۲۸۰/۱)]

(٤) [**ضعيف** : ضعيف ترمذی ' ترمذی (۱۵۰٦)]

طاقت نہ ہونے کی وجہ سے فرض زکاۃ بھی ادا نہ کرے یا فرض حج بھی نہ کرے تب بھی اس پر بالاتفاق کوئی گناہ نہیں۔ ہاں ایسا شخص اگر قربانی کا اجر حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ عید کے روز اپنے بال اور ناخن تراش لے' مونچھیں کاٹ لے اور زیر ناف مونڈھ لے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یوم الاضحیٰ کو عید کا حکم دیا گیا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے مقرر فرمایا ہے' ایک آدمی نے عرض کیا آپ مجھے بتلائیں کہ اگر میں قربانی کے لیے مؤنث دودھ دینے والی بکری کے سوا نہ پاؤں تو کیا اس کی قربانی کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں' لیکن تم اپنے بال اور ناخن تراش لینا اور اپنی مونچھیں کاٹنا اور شرمگاہ کے بال مونڈ دینا اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ تیری مکمل قربانی ہو جائے گی۔''(۱)

قربانی کی فضیلت:

قربانی کی فضیلت میں یہ روایت پیش کی جاتی ہے کہ ''دس ذوالحجہ کو خون بہانے سے بڑھ کر ابن آدم اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی بہتر عمل نہیں کرتا' یہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں' کھروں اور بالوں سمیت آئیں گے اور خون کے زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں اس کا ایک مقام ہوتا ہے سو تم یہ قربانی خوش دلی سے دیا کرو۔'' لیکن یہ ثابت نہیں۔(۲) تاہم قربانی کی سنت پر عمل کا جو اجر و ثواب اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے وہ بہر حال قربانی کرنے والے کو ضرور ملے گا کیونکہ قربانی عبادت اور نیک عمل ہے اور ہر نیکی کے متعلق قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ﴾ [الأنعام: ۱۶۰] ''جو شخص (کوئی) نیک کام کرے گا اسے اس کے دس گنا (اجر) ملے گا۔''

حافظ عبدالمنان نورپوری رحمہ اللہ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ نے لکھا ہے کہ قربانی کی فضیلت کی تمام احادیث ضعیف ہیں یہ بات ٹھیک ہے لیکن اس دن خون کا بہانا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر سال قربانی کرنا کس زمرہ میں جائے گا اس کا کیا ثواب ہوگا کیا اجر ہوگا؟ تو انہوں نے جواب میں کہا ''محترم توجہ فرمائیں قربانی کی فضیلت والی احادیث کے ضعیف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قربانی بے اجر و ثواب کام ہو گیا ہے قربانی کا اجر و ثواب اپنی جگہ محقق و ثابت شدہ امر ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ حدیث میں ہے کہ ''نیکی کا اجر دس

---

(۱) [ابو داود (۲۷۸۹) نسائی (۴۳۷۷) حاکم (۲۲۳/۴) یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔]

(۲) [ضعیف۔ ضعیف ترمذی' ترمذی (۱۴۹۳) ابن ماجۃ (۳۱۲۶)]

گنا سے لے کر سات سو تک ہے۔"(۱) ہاں فضیلت قربانی والی احادیث کے ضعیف ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ جو فضیلت ان میں بیان ہوئی وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔(۲)

قربانی صرف رضائے الٰہی کے لیے کرنی چاہیے:

چونکہ قربانی عبادت ہے اور کوئی بھی عبادت اس وقت تک باعث اجر نہیں ہوتی جب تک خالصتاً اللہ کے لیے نہ کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے لیے دین کو خالص کریں۔" [البینة : ٥] اور فرمانِ نبوی ہے کہ "عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔"(۳) علاوہ ازیں قربانی کے متعلق بطورِ خاص ایک آیت میں یہ الفاظ موجود ہیں "کہہ دیجیے! بے شک میری نماز' میری قربانی' میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔" [الأنعام : ١٦٢]

قربانی نہ تو غیر اللہ کے لیے جائز ہے اور نہ ہی ایسی جگہ پر درست ہے جہاں غیر اللہ کی عبادت ہوتی ہو نیز ایسی قربانی بھی حلال نہیں جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے اپنے والد پر لعنت کی' اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا' اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے کسی بدعتی کو پناہ دی اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے زمین کی علامات تبدیل کر دیں۔"(٤)

مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ تمام اعمال کی طرح قربانی بھی صرف رضائے الٰہی کے لیے خالص نیت کے ساتھ کرنی چاہیے اس میں ریاء ونمود کی آمیزش یقیناً قربانی کرنے والے کے اجر و ثواب کو ضائع کر دیتی ہے اور اللہ کی لعنت کا مستحق بنا دیتی ہے۔

شرائط قربانی:

(1) خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو جیسا کہ پیچھے دلائل نقل کر دیے گئے ہیں۔

(2) پاکیزہ مال سے ہو حرام مال سے نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

---

(۱) [تفسير ابن كثير المجلد الثاني پ٨ص ٢٦٣ ـ ٢٦٤]

(۲) [أحكام ومسائل (٤٣٨/١)]

(۳) [بخاری (١) كتاب بدء الوحی]

(٤) [مسلم (١٤١)]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ چیز کو ہی قبول کرتا ہے۔''(۱)

(3) سنت کے مطابق ہو جیسا کہ اگر کوئی شخص نماز عید سے پہلے قربانی کر لے تو اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی۔ اس کا مفصل بیان آئندہ صفحات میں آئے گا۔

(4) قربانی ایسے جانوروں کی نہ ہو جن جانوروں کی قربانی قبول نہیں ہوتی۔ اس کا بھی تفصیلی بیان آئندہ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کن کی قربانی قبول فرماتے ہیں؟:

اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کی قربانی قبول فرماتے ہیں جیسا کہ یہی بات واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ فرمایا ''آدم (علیہ السلام) کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انہیں سنا دو' ان دونوں نے ایک نذرانہ پیش کیا' ان میں سے ایک کی نذر تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی تو وہ کہنے لگا میں تجھے مار ہی ڈالوں گا اس نے کہا کہ ﴿ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ [المائدة : ۲۷] ''اللہ تعالیٰ تقوی والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے۔''

یہ نذر یا قربانی کس لیے پیش کی گئی؟ اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں' البتہ مشہور یہ ہے کہ ابتدا میں حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے ملاپ سے بیک وقت لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتی' دوسرے حمل سے پھر لڑکا لڑکی ہوتی' ایک حمل کے بہن بھائی کا نکاح دوسرے حمل کے بہن بھائی سے کر دیا جاتا۔ ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن بدصورت تھی' جبکہ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن خوبصورت تھی' اس وقت کے اصول کے مطابق ہابیل کا نکاح قابیل کی بہن کے ساتھ اور قابیل کا نکاح ہابیل کی بہن کے ساتھ ہونا تھا لیکن قابیل چاہتا تھا کہ وہ ہابیل کی بہن کی بجائے اپنی ہی بہن کے ساتھ جو خوبصورت تھی نکاح کرے' حضرت آدم علیہ السلام نے اسے سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھا بالآخر حضرت آدم علیہ السلام نے دونوں کو بارگاہ الٰہی میں قربانیاں پیش کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جس کی قربانی قبول ہو جائے گی قابیل کی بہن کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی یعنی آسمان سے آگ آئی اور اسے کھا گئی جو اس کے قبول ہونے کی دلیل تھی' بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ویسے ہی دونوں بھائیوں نے اپنے اپنے طور پر اللہ کی بارگاہ میں نذر پیش کی' ہابیل نے ایک عمدہ دنبہ کی قربانی اور قابیل نے

(۱) [مسلم (۲۳٤٦) كتاب الزكاة]

گندم کی بالی کی قربانی پیش کی' ہابیل کی قربانی قبول ہونے پر قابیل حسد کا شکار ہوگیا۔(۱)

ایک اور آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف دلوں کا تقوی ہی پہنچتا ہے قربانیوں کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا۔ فرمایا ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ [الحج: ۲۲] ''اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ ان کے خون بلکہ اسے تو تمہارے دل کی پرہیز گاری وتقوی پہنچتا ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتے ہیں۔''(۲)

قربانی کا جانور کیسا ہو؟:

ایسے جانوروں کی قربانی کی جائے جن پر ''بهيمة الأنعام'' کا لفظ بولا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔ سمجھ لو کہ تم سب کا معبود برحق صرف ایک ہی ہے تم اسی کے تابع فرمان ہو جاؤ عاجزی کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیجیے۔'' [الحج: ۳٤]

بهيمة ایسے جانوروں کو کہتے ہیں جو چار ٹانگوں والے ہوں خواہ پانی میں ہی ہوں جیسا کہ صاحب قاموس نے اس کی یہی وضاحت کی ہے۔(۳) اور انعام میں چار قسم کے نر اور مادہ جانور شامل ہیں: (1) اونٹ (2) گائے (3) بھیڑ (4) بکری۔(٤) علاوہ ازیں مذکورہ مویشیوں میں ہر ایک کا مسنہ (یعنی دوندا) ہونا بھی ضروری ہے ہاں اگر کوئی مجبوری ہو یا ایسا جانور میسر نہ ہو تو بھیڑ کا کھیرا بھی کفایت کر جاتا ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مسنہ ہی ذبح کروالا کہ تم پر تنگی ہو تو بھیڑ کا کھیرا ذبح کرلو۔''(٥)

یاد رہے کہ بھیڑ کے کھیرے کی اجازت کا مفہوم یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہر حال میں اس کی قربانی

(۱) [تفسیر أحسن البيان (ص/۲۹۷)]
(۲) [مسلم (٦٥٤٣) كتاب البر والصلة والأدب]
(۳) [القاموس المحيط (بهم)]
(٤) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر فتح القدير (۲/۲۱۰) تفسیر ابن كثير (۳/۱۰۰)]
(٥) [مسلم (۱۱۷)]

جائز ہے جیسا کہ آج کل بعض مقامات پر قربانی کا جانور بیچنے والے یہی کہہ کر عوام کو جانور فروخت کر رہے ہوتے ہیں کہ کھیرے کی قربانی بھی جائز ہے حالانکہ اس کی قربانی صرف ایک خاص صورت (یعنی مجبوری و تنگ دستی) میں ہی جائز قرار دی گئی ہے اگر یہ صورت نہ ہو تو مسنہ کے علاوہ کوئی جانور بھی کفایت نہیں کرے گا۔

مسنہ (یعنی دوندا) ایسے جانور کو کہتے ہیں جس کے دودھ کے دانت گر چکے ہوں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ''مسنہ اونٹ گائے اور بکری وغیرہ میں سے دوندے کو کہتے ہیں اور یہ واضح رہے کہ بھیڑ کے علاوہ کسی حالت میں کھیرا قربان کرنا جائز نہیں۔''(۱) امام شوکانیؒ رقمطراز ہیں کہ اہل علم فرماتے ہیں ''دودانتا یا اس سے بڑا جانور مسنہ ہے خواہ وہ اونٹ اونٹنی ہو' خواہ گائے بیل ہو' اور خواہ بھیڑ' مینڈھا' بکری بکرا وغیرہ ہو۔''(۲) نیز واضح رہے کہ اونٹوں میں دوندا عمر کے پانچویں سال میں' گائے میں دوندا عمر کے تیسرے سال میں اور بکری میں دوندا عمر کے دوسرے سال میں ہوتا ہے' اور کھیرا (جذعہ) بھیڑ کا وہ بچہ ہوتا ہے جو ایک سال کا ہو اور دوندا نہ ہو۔ لہٰذا اونٹ' گائے اور بکری میں دوندے سے کم عمر والے جانور کی قربانی جائز نہیں البتہ دنبے میں (کسی مجبوری کے وقت) دوندے سے کم عمر کے جانور کی قربانی بھی جائز ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل:

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ سینگ والے دو چتکبرے مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔''(۳)

(2) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ سینگ والا موٹا تازہ مینڈھا ذبح کرتے جس کی آنکھیں' منہ اور ٹانگیں سیاہ ہوتیں۔''(٤)

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''نبی ﷺ نے کھڑے کھڑے سات اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر کیے اور مدینہ میں دو سینگوں والے چتکبرے مینڈھے ذبح کیے۔''(٥)

---

(۱) [شرح مسلم للنووی (۹۹/۱۳)]

(۲) [نیل الأوطار (۲۰۲/۵)]

(۳) [بخاری (٥٥٥٤) کتاب الأضاحی : باب فی أضحیة النبی]

(٤) [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۲۷۹٦) ترمذی (١٤٩٦) ابن ماجة (۳۱۲۸)]

(٥) [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۲۷۹۳)]

کس جانور کی قربانی افضل ہے؟:

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ افضل قربانی وہ ہے جو زیادہ موٹی تازی ہو۔(۱) ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں کہ سب سے افضل قربانی اونٹ کی ہے' پھر گائے کی اور پھر بکری کی۔(۲) امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ قربانی میں افضل اونٹ ہے پھر گائے ہے پھر بکری ہے پھر اونٹ میں شریک ہونا ہے اور پھر گائے میں شریک ہونا ہے۔(۳) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ "قربانیوں میں افضل اونٹ' پھر گائے پھر بکری اور پھر اونٹنی یا گائے کی قربانی میں شرکت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے جمعہ کے متعلق فرمایا "جو پہلی گھڑی میں (مسجد میں) گیا گویا اس نے اونٹ کی قربانی کی' اور جو دوسری گھڑی میں گیا گویا اس نے گائے کی قربانی کی اور جو تیسری گھڑی میں گیا گویا اس نے سینگ والے مینڈھے کی قربانی کی اور جو چوتھی گھڑی میں گیا گویا اس نے ایک مرغی کی قربانی کی اور جو پانچویں گھڑی میں گیا گویا اس نے ایک انڈہ قربان کیا۔" اس حدیث میں محل شاہد اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب میں اونٹ' گائے اور بھیڑ بکریوں کے درمیان ایک دوسرے پر فضیلت کا وجود ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قربانی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور اونٹ قیمت' گوشت اور نفع کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہے۔ ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ (قربانی میں) افضل بھیڑ کا کھیرا ہے پھر گائے اور پھر اونٹ ہے کیونکہ نبی ﷺ نے دو مینڈھے قربان کیے اور آپ ﷺ صرف افضل کام ہی کرتے تھے۔ اس کے جواب میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یقیناً آپ ﷺ بعض اوقات غیر افضل کام کو بھی امت پر نرمی کرنے کی غرض سے اختیار فرما لیا کرتے تھے کیونکہ لوگ آپ ﷺ کی اقتدا کرتے تھے اور آپ ﷺ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ان پر مشقت ڈالیں لیکن آپ نے گائے اور بھیڑ بکریوں پر اونٹ کی فضیلت بیان کر دی ہے جیسا کہ ابھی پیچھے گزرا ہے۔ (واللہ اعلم) (٤)

قربانی کے جانور کو کھلا پلا کر موٹا کرنا:

امام بخاریؒ رقمطراز ہیں کہ "یحییٰ بن سعیدؒ نے کہا کہ میں نے حضرت ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ

---

(۱) [الدرر البهية : كتاب الأضحية]

(۲) [الدرر البهية : كتاب الحج]

(۳) [المغنى (٣٦٦/١٣)]

(٤) [فتاوى إسلاميه (٣٢٠/٢)]

سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ ہم مدینہ میں قربانی کو موٹا تازہ کرتے تھے اور مسلمان بھی (قربانی کے جانوروں کو) موٹا کرتے تھے۔"(۱) اس روایت سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانوروں کو کھلا پلا کر موٹا اور صحت مند بنانا مستحب ہے۔ امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ قربانی (کے جانور) کا موٹا ہونا اور عمدہ ہونا مسنون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یہ سن لیا اب اور سنو! اللہ کی نشانیوں کی جو تعظیم کرے تو یہ اس کے دل کی پرہیزگاری کی وجہ سے ہے۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اس کی تعظیم اس کا موٹا ہونا' عمدہ ہونا اور اس کا احترام کرنا ہے' کیونکہ یہ بڑے اجر اور زیادہ فائدے کا باعث ہے۔(۲)

خصی جانور کی قربانی:

خصی جانور کی قربانی جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب قربانی کا ارادہ فرماتے تو دو بڑے بڑے موٹے تازے سینگ والے' چتکبرے خصی مینڈھے خرید لاتے۔(۳) اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "نبی ﷺ نے قربانی کے دن سینگ والے دو چتکبرے خصی مینڈھے ذبح کیے۔"(٤) امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ خصی جانور (قربانی میں) کفایت کر جاتا ہے کیونکہ نبی ﷺ نے دو خصی مینڈھے ذبح کیے تھے۔(٥)

بھینس کی قربانی:

شریعت نے ایسے جانور بطورِ قربانی ذبح کرنے کا حکم دیا ہے جن پر **بهيمة الأنعام** کا لفظ بولا جا سکتا ہو اور وہ جانور صرف اونٹ' گائے' بھیڑ اور بکری ہیں جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے اس لیے صرف انہی جانوروں کی قربانی کرنی چاہیے اور بھینس کی قربانی سے اجتناب ہی بہتر ہے بالخصوص اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ سے کبھی بھینس کی قربانی ثابت نہیں۔

حافظ عبدالمنان نورپوری حفظہ اللہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جو لوگ بھینس کی قربانی کے جواز کے قائل ہیں ان کے ہاں دلیل بس یہی ہے کہ لفظ **بقر** اس کو بھی شامل ہے یا پھر اس کو **بقر** پر قیاس کرتے ہیں اور معلوم ہے کہ گائے کی قربانی رسول اللہ ﷺ کے قول' عمل اور تقریر سے

---

(۱) [بخاری (قبل الحدیث/۵۵۵۳)]

(۲) [المغنی (۳٦٧/۱۳)]

(۳) [**صحيح** : صحیح ابن ماجه' ابن ماجة (۳۱۲۲)]

(٤) [**ضعيف** : ضعیف ابو داود' ابو داود (۲۷۹٥)]

(٥) [المغنی (۳۷۱/۱۳)]

ثابت ہے لہٰذا گائے کی قربانی کی جائے جو رسول اللہ ﷺ سے تینوں طریقوں سے ثابت ہے۔ (واللہ اعلم)(۱) حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ نے بھی یہی مؤقف اختیار فرمایا ہے (مزید فرماتے ہیں کہ احناف کے ہاں بھینس کی قربانی جائز ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے)۔(۲) تاہم مبنی بر احتیاط اور راجح مؤقف یہی ہے کہ بھینس کی قربانی نہ کی جائے بلکہ مسنون قربانی اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری سے کی جائے جب یہ جانور موجود ہیں تو ان کے ہوتے ہوئے مشتبہ امور سے اجتناب ہی کرنا چاہیے اور دیگر بحث و مباحثے سے بچنا ہی اولیٰ و بہتر ہے۔

کن جانوروں کی قربانی جائز نہیں؟:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "چار جانور قربانی میں جائز نہیں: واضح طور پر آنکھ کا کانا، ایسا بیمار جس کی بیماری واضح ہو، لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور ایسا کمزور جس میں چربی نہ ہو۔"(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آنکھ اور کان اچھی طرح دیکھیں۔(٤) ان احادیث میں جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں اگر کسی جانور میں وہ موجود ہوں تو اس کی قربانی ناجائز ہوگی۔

بیمار جانور کی قربانی:

ایسی معمولی بیماری جو غیر واضح ہو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر کسی جانور کی بیماری واضح ہو تو اسے بطورِ قربانی ذبح کرنا جائز نہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار قسم کے جانوروں کی قربانی سے منع فرمایا اور ان میں ایک یہ بھی ہے "ایسا بیمار جانور جس کی بیماری واضح ہو۔"

حاملہ جانور کی قربانی:

حاملہ جانور کی قربانی جائز و درست ہے جیسا کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پیٹ کے بچے کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اگر تم چاہو تو اسے کھالو" اور مسددؒ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! ہم اونٹنی، گائے اور بکری ذبح کرتے ہیں تو ہم اس کے پیٹ میں بچہ پاتے ہیں کیا ہم اسے پھینک دیں یا اسے کھالیں؟

---

(۱) [احکام و مسائل (۱/٤٤٠)]

(۲) [فتاوی اهل حدیث (۲/٤٢٦)]

(۳) [صحیح: صحیح ابوداود' ابو داود (۲۸۰۲) ترمذی (۱٤۹۷) ابن ماجة (۳۱٤٤)]

(٤) [صحیح: ارواء الغلیل (۱۱٤۹) ابو داود (۲۷۰٤) ترمذی (۱٤۹۸)]

آپ ﷺ نے فرمایا" اگر تم چاہو تو اسے کھالو کیونکہ اس کا ذبح اس کی ماں کا ذبح کرنا ہی ہے۔"(۱)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ حاملہ جانور خواہ اونٹنی ہو گائے ہو یا بکری اسے قربانی کے لیے ذبح کیا جاسکتا ہے اور اس کے پیٹ کے بچے کو ذبح کیے بغیر کھانا درست ہے لیکن اگر اسے پھینک دیا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے صحابہ کو لازمی طور پر پیٹ کا بچہ کھانے کا حکم نہیں دیا بلکہ اسے ان کی طبیعت و چاہت پر ہی معلق رکھا۔ علاوہ ازیں بعض حضرات نے جو اس کی یہ تاویل کی ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے" بچے کو بھی اسی طرح ذبح کرو جیسے اس کی ماں کو ذبح کرتے ہو۔" یہ تاویل نہایت فاسد و بے بنیاد ہے اور مذکورہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس کا رد کرتی ہے۔

قربانی کے جانور پر سوار ہونا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ایک شخص کو قربانی کا جانور لے جاتے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا" اس پر سوار ہو جا۔" اس شخص نے کہا' یہ تو قربانی کا جانور ہے' آپ ﷺ نے فرمایا" اس پر سوار ہو جا۔" اس نے کہا' یہ تو قربانی کا جانور ہے' آپ ﷺ نے پھر فرمایا" افسوس! سوار بھی ہو جاؤ (" افسوس" آپ ﷺ نے) دوسری یا تیسری مرتبہ فرمایا۔"(۲)

اس حدیث کی شرح میں مولانا داود رازؒ نقل فرماتے ہیں کہ" زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ سائبہ وغیرہ جو جانور مذہبی نذر نیاز کے طور پر چھوڑ دیتے ان پر سوار ہونا معیوب جانا کرتے تھے۔ قربانی کے جانوروں کے متعلق بھی جو کعبہ میں لے جائی جائیں ان کا ایسا ہی تصور تھا۔ اسلام نے اس غلط تصور کو ختم کیا اور آنحضرت ﷺ نے بالاصرار حکم دیا کہ اس پر سواری کرو تا کہ راستہ کی تھکن سے بچ سکو۔ قربانی کے جانور ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اسے معطل کر کے چھوڑ دیا جائے۔ اسلام اسی لیے دین فطرت ہے کہ اس نے قدم قدم پر انسانی ضروریات کو ملحوظ نظر رکھا ہے اور ہر جگہ عین ضروریات انسانی کے تحت احکامات صادر کیے ہیں۔(۳)

اس حدیث کے متعلق امام ترمذیؒ رقمطراز ہیں کہ صحابہ اور دوسرے اہل علم کی ایک جماعت نے قربانی کے جانور پر سواری کی رخصت دی ہے جبکہ وہ شخص اس پر سواری کا محتاج ہو اور یہی قول امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کا بھی ہے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ

---

(۱) [صحیح ۔ صحیح ابو داود' ابو داود (۲۸۲۷)]

(۲) [بخاری (۱۶۸۹) مسلم (۲۳۲۳) ترمذی (۹۱۱) ابن ماجه (۳۱۰٤)]

(۳) [شرح بخاری (٤۲/۳)]

جب تک وہ شخص اس کی طرف مجبور نہ ہو جائے سواری نہ کرے۔"(۱)

کیا قربانی کا جانور فروخت کیا جا سکتا ہے؟:

اگر انسان قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدے تو پھر اسے فروخت کرنا درست نہیں کیونکہ اب وہ جانور اللہ تعالیٰ کا ہو چکا ہے اب اسے صرف اللہ کے لیے قربان کرنا ہی ضروری ہے بعینہٖ جیسے وقف شدہ مال کو نہ فروخت کرنا جائز ہے' نہ ہبہ کرنا اور نہ ہی وراثت میں تقسیم کرنا ' بلکہ اسے صرف اللہ کے لیے صرف کرنا ہی ضروری ہے۔ ہاں اگر اسے فروخت کرنے سے مقصود اسے تبدیل کرنا ہو تو ایسا کرنا درست ہے مثلاً اگر کوئی شخص بکری خرید لایا ہے لیکن پھر وہ اسے فروخت کر کے گائے خریدنا چاہتا ہے تو یہ درست ہے کیونکہ یہ افضل قربانی کی طرف پیشرفت ہے اور اس صورت میں بھی فروخت کرنا جائز ہے کہ اگر جانور خریدنے کے بعد علم ہو کہ یہ بیمار ہے یا اس میں کوئی ایسا نقص ہے جس کی وجہ سے یہ قربانی کے قابل نہیں تو اسے فروخت کر کے دوسرا جانور خریدا جا سکتا ہے۔ (واللہ اعلم) امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ قربانی کا جانور فروخت کرنا اس وجہ سے مکروہ ہے کہ (اسے) فروخت کر دینا نہ تو کھانا ہے' نہ ذخیرہ کرنا ہے اور نہ ہی صدقہ کرنا ہے (کیونکہ قربانی کے جانور کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے صرف انہی تینوں افعال کا حکم دیا ہے اور یہ تینوں فروخت کر دینے میں موجود نہیں) اور اسی طرح فروخت کر دینا اس چیز کے بھی خلاف ہے جس کا قربانی فائدہ دیتی ہے یعنی تقرب وغیرہ۔(۲)

قربانی کرنے والا کن امور سے اجتناب کرے؟:

جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بال اور ناخن کاٹنے سے رک جائے۔"(۳) ایک اور روایت میں ہے کہ "جس کے پاس قربانی کے لیے کوئی جانور ہو وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد قربانی کر لینے تک ہرگز اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔"(۴)

---

(۱) [ترمذی (بعد الحدیث / ۹۱۱) کتاب الحج]

(۲) [السیل الجرار (۳/۲٤٦)]

(۳) [ابن ماجة (۳۱٤۹) بیهقی (۹/۲٦٦) احمد (٦/۲۸۹)]

(٤) [ترمذی (۱۵۲۳) ابو داود (۲۷۹۱) حاکم (٤/۲۲۰)]

امام نوویؒ رقمطراز ہیں کہ حضرت سعید بن مسیب، امام ربیعہ، امام احمد، امام اسحاق، امام داود اور بعض اصحاب شافعی رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ ایسے شخص پر اپنے بال اور ناخن کاٹنا اس وقت تک حرام ہے جب تک وہ قربانی کے وقت قربانی نہ کر لے۔''(۱) امام ابن قدامہؒ نے بھی ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد قربانی کا ارادہ رکھنے والے شخص پر بال اور ناخن کاٹنے کی حرمت کا ہی رجحان ظاہر کیا ہے۔(۲) شیخ ابن بازؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔(۳)

جو قربانی کا ارادہ نہ رکھتا ہو کیا وہ بھی بال اور ناخن نہ کاٹے؟:

جس شخص کا قربانی کا ارادہ نہ ہو اس کے لیے بال اور ناخن کاٹنے کی ممانعت کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہاں ایسا شخص اگر قربانی کا اجر حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ عید کے روز اپنے بال اور ناخن تراش لے، مونچھیں کاٹ لے اور زیرناف مونڈھ لے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے یوم الاضحیٰ کو عید کا حکم دیا گیا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے مقرر فرمایا ہے، ایک آدمی نے عرض کیا آپ مجھے بتلائیں کہ اگر میں قربانی کے لیے مؤنث دودھ دینے والی بکری کے سوا نہ پاؤں تو کیا اس کی قربانی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، لیکن تم اپنے بال اور ناخن تراش لینا اور اپنی مونچھیں کاٹنا اور شرمگاہ کے بال مونڈ دینا اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ تیری مکمل قربانی ہو جائے گی۔(۴)

جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے کیا وہ بھی بال اور ناخن نہ کاٹے؟:

شیخ ابن جبرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ''جب عشرہ ذوالحجہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو اپنے بال اور اپنے چمڑے (یعنی جسم) سے کچھ نہ کاٹے''(اس حدیث میں) آپ ﷺ نے ایسے شخص کا ذکر نہیں کیا جس کی طرف سے کوئی اور قربانی کر رہا ہو لیکن بعض علما نے ایسے شخص کا (بال وغیرہ) کاٹنا بھی ناپسند کیا ہے جس کی طرف سے کوئی اور قربانی کر رہا ہو، البتہ ان کا کہنا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی بال وغیرہ کاٹ لے تو اس پر نہ کوئی فدیہ ہے، نہ اس کی قربانی باطل ہو گی اور نہ ہی اسے

---

(۱) [شرح مسلم (۱۵٤/۷)]

(۲) [المغنی (۳٦۲/۱۳)]

(۳) [فتاوی إسلامیه (۳۱۷/۲)]

(٤) [ابو داود (۲۷۸۹) نسائی (٤۳۷۷) ابن حبان (۱۰٤۳) حاکم (۲۲۳/٤) یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔]

قربانی کرنے سے پیچھے ہٹنا چاہیے' وہ انشاء اللہ اس کی طرف سے قبول ہو جائے گی۔(۱)

قربانی کا وقت:

قربانی کا وقت نماز عید کے بعد شروع ہوتا ہے اور جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کی خواہ وہ کسی بھی علاقے میں ہو اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی بلکہ اسے نماز عید کے بعد قربانی کے لیے دوسرا جانور ذبح کرنا پڑے گا۔ فرمانِ نبوی ہے کہ ''جو شخص نماز عید سے پہلے قربانی کر لیتا ہے وہ صرف اپنے کھانے کے لیے جانور ذبح کرتا ہے اور جو نماز عید کے بعد قربانی کرتا ہے اس کی قربانی پوری ہوتی ہے اور وہ مسلمانوں کی سنت کو پالیتا ہے۔''(۲) ایک دوسرا فرمان یوں ہے کہ ''جس نے نماز عید سے پہلے جانور ذبح کر لیا وہ دوبارہ قربانی کرے۔''(۳) ایک مرتبہ دورانِ خطبہ آپ ﷺ نے فرمایا ''آج کے دن کی ابتدا ہم نماز عید سے کریں گے پھر واپس آ کر قربانی کریں گے جو شخص اس طرح کرے گا وہ قربانی کو پالے گا لیکن جس نے (نماز عید سے پہلے) جانور ذبح کر لیا تو وہ ایسا گوشت ہے جسے اس نے اپنے گھر والوں کے کھانے کے لیے تیار کیا ہے وہ قربانی کسی درجہ میں بھی نہیں' حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے تو نماز عید سے پہلے قربانی کر لی ہے البتہ میرے پاس ابھی ایک سال سے کم عمر کا ایک بکری کا بچہ ہے اور سال بھر کی بکری سے بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اسی کی قربانی اس کے بدلہ میں کر لو لیکن تمہارے بعد یہ (جانور) کسی کے لیے جائز نہ ہوگا۔''(٤) ایک روایت میں ہے کہ قربانی کے روز آپ ﷺ نے فرمایا ''جس نے نماز سے پہلے قربانی کر لی ہو وہ اس کی جگہ دوبارہ کرے اور جس نے ابھی قربانی نہ کی ہو وہ کر دے۔''(٥)

قربانی کتنے دن کی جا سکتی ہے؟:

عید الاضحیٰ اور اس کے بعد تین دن یعنی تیرہ (13) ذوالحجہ کی شام تک قربانی کی

---

(۱) [فتاوی إسلامية (۳۱۸/۲)]

(۲) [بخاری (۵۵۵٦) كتاب الأضاحی]

(۳) [بخاری (۵۵٦۱ ' ۵۵٤۹) مسلم (۱۵۵٤) نسائی (٤٤۰۸) ابن ماجة (۳۱۵۱)]

(٤) [بخاری (۵۵٦۰) كتاب الأضاحی]

(٥) [بخاری (۵۵٦۲) كتاب الأضاحی]

جا سکتی ہے کیونکہ عید الاضحیٰ کے بعد 12,11 اور 13 ذوالحجہ کے دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں۔(۱) اور تمام ایام تشریق کو ذبح کے دن قرار دیا گیا ہے' جیسا کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بیان کیا ہے کہ ''تمام ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔''(۲) اگرچہ اس روایت کے منقطع ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے لیکن امام ابن حبان رحمہ اللہ نے صحیح ابن حبان میں اسے موصول بیان کیا ہے اور امام ہیثمی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو مرفوع بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ احمد وغیرہ کے رجال ثقہ ہیں۔(۳) امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس مؤقف کو ترجیح دی ہے کہ سارے ایام تشریق ذبح کے دن ہیں اور وہ دن یہ ہیں؛ یوم النحر اور اس کے بعد تین دن۔(٤) امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔(٥) علاوہ ازیں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ' امام حسن بصری' عمر بن عبدالعزیز' امام شافعی' اور امام داود ظاہری رحمہم اللہ سے بھی یہی قول منقول ہے۔(٦) عصر حاضر کے مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔(٧)

البتہ بعض فقہاء نے یوم النحر کے بعد مزید صرف دو دنوں تک قربانی کی اجازت دی ہے ان کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ہے ''قربانی یوم الاضحیٰ کے بعد دو دن ہے۔''(۸) لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ پہلی حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کی روایت محض ان کا اپنا قول ہی ہے اس لیے پہلی حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔ نیز جس روایت میں ایک دن کم کا ذکر ہے اس میں زیادتی کی نفی بھی نہیں ہے۔

---

(۱) [تفسیر أحسن البیان (ص/۸۲) نیل الأوطار (۴۹۰/۳)]

(۲) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (۴۵۳۷) احمد (۸۲/٤) ابن حبان (۳۸٤۲)]

(۳) [بلوغ الأمانی للبنا (۹٤/۱۳-۹۵)]

(٤) [نیل الأوطار (۱۲۵/۵)]

(٥) [شرح مسلم (۱۲۸/۷)]

(٦) [نیل الأوطار (٤۹۰/۳) بیهقی (۲۹٦/۵'۲۹۷)]

(٧) [احکام ومسائل (٤۳۸/۱)]

(۸) [موطا (٤۸۷/۲) بیهقی (۲۹۷/۹) شرح مسلم للنووی (۱۲۸/۷)]

کس دن کی قربانی افضل ہے؟:

اکثر علماء کا مؤقف یہ ہے کہ پہلے دن کی قربانی افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ ہمیشہ اسی پر عمل پیرا رہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''آج (عیدالاضحیٰ کے دن) کی ابتدا ہم نماز (عید) سے کریں گے پھر واپس آ کر قربانی کریں گے جو اس طرح کرے گا وہ ہماری سنت کے مطابق عمل کرے گا۔''(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ جس دن نماز عید پڑھتے اسی دن قربانی کرتے اور یہ بات دلیل کی محتاج نہیں کہ نماز عید پہلے دن ہی ادا کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور حدیث سے بھی پہلے دن کی افضیلت معلوم ہوتی ہے، فرمانِ نبوی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنوں میں سب سے عظیم دن یوم النحر (یعنی عید کا پہلا دن) ہے پھر یوم القر (یعنی دوسرا دن) ہے۔''(۲)

مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ ایام عید میں سے افضل دن پہلا ہے اور نبی ﷺ بھی پہلے دن ہی قربانی کیا کرتے تھے لہٰذا پہلے دن کی قربانی ہی افضل ہے لیکن اگر کوئی یہ خیال کرے کہ آخری دنوں میں قربانی کرنے سے غرباء و مساکین کو زیادہ فائدہ ہو سکتا ہے تو بعض علماء نے اسے بھی پہلے دن کے برابر ہی قرار دیا ہے۔ (واللہ اعلم)

قربانی کی جگہ:

بہتر یہ ہے کہ عید گاہ میں قربانی کی جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ (قربانی) ذبح اور نحر عید گاہ میں کیا کرتے تھے۔(۳) لیکن اگر کوئی گھر میں قربانی کر لیتا ہے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عید گاہ میں قربانی کرنا لازم قرار نہیں دیا۔

قربانی کے لیے چھری خوب تیز ہونی چاہیے:

فرمانِ نبوی ہے کہ ''جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو اور تم میں سے ایک

---

(۱) [بخاری (٥٥٤٥) كتاب الأضاحي: باب سنة الأضحية]

(۲) [صحيح : صحيح ابو اود' ابو داود (١٧٦٥)]

(۳) [بخاری (٥٥٥٢) ابن ماجة (٣١٦١) ابو داود (٢٨١١)]

اپنی چھری تیز کرے اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے۔"(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانور قربان کرنے سے پہلے چھری کو اچھی طرح تیز کر لینا چاہیے تا کہ جانور آسانی سے ذبح ہو جائے اور اسے زیادہ تکلیف نہ ہو۔ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے جانور ذبح کرتے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ وہ چھری تیز کریں اور پھر پکڑائیں۔(۲)

جانور قبلہ رخ لٹانا چاہیے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے قربانی کے دن سینگ والے دو چتکبرے خصی مینڈھے ذبح کیے۔ جب آپ ﷺ نے انہیں قبلہ رخ کیا تو یہ دعا پڑھی ﴿ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ ...... ﴾ پھر ذبح کر دیا۔"(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے جانوروں کو ذبح کرنے سے پہلے قبلہ رخ کیا۔اس لیے یہ عمل بھی مسنون ہے۔

جانور کے پہلو پر پاؤں رکھنا:

جانور ذبح کرتے وقت اس کے پہلو پر پاؤں رکھنا سنت سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ"نبی کریم ﷺ نے دو چتکبرے مینڈھوں کی قربانی کی' میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے پاؤں ان جانوروں کے پہلوؤں پر رکھے ہوئے ہیں۔"(٤)

اونٹ نحر کرنے کا طریقہ:

اونٹ کو ذبح نہیں بلکہ نحر کرنا چاہیے اور نحر کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کا اگلا بایاں گھٹنا باندھ کر اسے تین ٹانگوں پر کھڑا کر دیا جائے اور کوئی تیز دھار چیز مثلاً چھری' چاقو' نیزہ یا برچھی وغیرہ اس کی گردن میں ماری جائے'یوں آہستہ آہستہ خون بہہ جائے گا اور اونٹ ایک طرف گر جائے گا پھر اس کی کھال وغیرہ اتار کر گوشت بنا لینا چاہیے۔اونٹ کو نحر کرنے کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَالْبُدْنَ ...... فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا ﴾ [الحج : ٣٦] "قربانی کے اونٹ ہم نے

---

(۱) [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (٢٨١٤)]

(۲) [حسن : صحیح ابو داود' ابو داود (٢٧٩٢) كتاب الضحايا]

(۳) [ابو داود (٢٧٩٥) یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔]

(٤) [بخاری (٥٥٥٨) مسلم (٥٠٨٧)]

تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں مقرر کردی ہیں ان میں تمہیں نفع ہے پس انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو۔ پھر جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں تو اس سے کھاؤ۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ صواف کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کا معنی قیاما معقولة یعنی ایک ٹانگ باندھ کر کھڑا کرنا ہے۔(۱) امام شوکانیؒ آیت ﴿فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا﴾ کے متعلق فرماتے ہیں کہ وجوب (سے مراد) ساقط ہونا ہے یعنی جب نحر ہونے کے بعد اونٹ گر جائے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کی روح نکل جاتی ہے۔(۲)

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرے جس نے اونٹ کو ذبح کرنے کی غرض سے بٹھا رکھا تھا تو انہوں نے کہا ''اس کا گھٹنا باندھ کر اسے کھڑا کرو یہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔(۳)

(3) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اونٹ کی بائیں ٹانگ باندھ کر اسے نحر کرتے تھے اور وہ اپنی باقی ٹانگوں پر کھڑا ہوتا تھا۔(٤)

(4) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حجۃ الوداع کے بیان میں حدیث مروی ہے اور اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کے ساتھ تریسٹھ (63) اونٹ نحر کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹوں کی گردنوں میں اپنے ہاتھ میں موجود چھوٹا نیزہ مارتے تھے۔(٥)

زندہ جانور سے کاٹا ہوا گوشت حرام ہے:

جانور کو ذبح یا نحر کرنے کے بعد جب تک اچھی طرح اس کا خون بہہ کر روح نہ نکل جائے اس کا گوشت بنانا شروع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اگر زندہ جانور سے ہی گوشت کاٹ لیا جائے تو وہ حرام ہے جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ ''زندہ جانور سے جو کچھ کاٹ لیا جائے وہ مردار ہے۔''(٦)

---

(۱) [تفسیر فتح القدیر (۵۵۸/۳)]

(۲) [تفسیر فتح القدیر (۵۵٦/۱۳)]

(۳) [بخاری (۱۷۱۳) مسلم (۱۳۲۰) ابو داود (۱۷٦۸) احمد (۳/۲)]

(٤) [صحیح : صحیح ابو داود، ابو داود (۱۷٦۷) شیخ عبدالرزاق مہدی حفظہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔[التعلیق علی تفسیر ابن کثیر (٤۳۸/٤)]

(٥) [مسلم (۱۲۱۸)]

(٦) [حسن : صحیح ابو داود، ترمذی (۱٤۸۰) حاکم (۲۳۹/٤) بیهقی (۲٤٥/۹)]

چھری چلانے سے پہلے دعا پڑھنا:

چھری چلانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے مختلف دعائیں ثابت ہیں ان میں سے چند اہم مندرجہ ذیل ہیں:

(1) ﴿بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ﴾ ''اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ سب سے بڑا ہے۔''(۱)

(2) ﴿بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ هَذَا عَنِّي وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِي﴾ ''اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ سب سے بڑا ہے یہ (جانور) میری طرف سے اور اس کی طرف سے ہے جس نے میری امت میں سے قربانی نہیں کی۔''(۲)

(3) ﴿اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ﴾ ''اے اللہ! تو محمد کی طرف سے، آل محمد کی طرف سے اور امت محمد کی طرف سے (اسے) قبول فرما۔''(۳)

ہر خون بہا دینے والی چیز سے ذبح کرنا جائز ہے سوائے......:

دانت اور ناخن کے، جیسا کہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''جو چیز خون بہا دے اور اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو تو اس جانور کو کھاؤ۔ ذبح کرنے کا آلہ دانت اور ناخن نہیں کیونکہ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔''(٤) یہ حدیث مطلق دانت اور ناخن سے ممانعت پر دلالت کرتی ہے (یعنی) دانت اور ناخن خواہ انسان کا ہو یا کسی جانور کا، الگ اور جدا ہو یا جسم کے ساتھ لگا ہو، خواہ لوہے سے بنایا ہو (ہر صورت میں ان دونوں سے ذبح کرنا ممنوع ہے)۔(٥)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے پتھر سے ایک بکری کو ذبح کر دیا، نبی ﷺ سے اسے کھانے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے اسے کھانے کی اجازت دے دی۔''(٦) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھری کے علاوہ دیگر اشیاء سے بھی جانور ذبح کرنا درست ہے بشرطیکہ اس سے خون بہہ جائے جیسا کہ اس عورت نے ایک نوکدار پتھر سے ذبح کیا تھا اور اس سے خون بہہ گیا تھا۔

---

(١) [بخاری (٥٥٦٥) کتاب الأضاحی]

(٢) [صحیح: صحیح ابو داود، ابو داود (٢٨١٠) ترمذی (١٥٢٠) احمد (٣٦٢/٣)]

(٣) [مسلم (١٩٦٧) احمد (٧٨/٦) ابو داود (٢٧٩٢)]

(٤) [بخاری (٥٤٩٨) مسلم (١٩٦٨)]

(٥) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سبل السلام (١٨٥٢/٤)]

(٦) [بخاری (٥٥٠٤) کتاب الذبائح و الصید]



جانور خود ذبح کرنا چاہیے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حجۃ الوداع کے بیان میں حدیث مروی ہے اور اس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کے ساتھ تریسٹھ (63) اونٹ نحر کیے۔ (۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے کھڑے سات اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر کیے۔ (۲) ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چتکبرے مینڈھوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔ (۳)

درج بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ انسان کو اپنی قربانی خود ذبح کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی قربانی خود ذبح کیا کرتے تھے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اسی مؤقف کو زیادہ بہتر قرار دیا ہے۔ (٤) امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر آدمی قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرے تو یہ افضل ہے۔ (٥)

کیا قصائی سے ذبح کرانا درست ہے؟

بہتر تو یہ ہے کہ جانور خود ذبح کیا جائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جانور خود ہی ذبح کرتے تھے لیکن اگر کوئی ایسا نہ کر سکتا ہو تو قصائی سے ذبح کرانا بھی درست ہے۔ کیونکہ کسی صحیح حدیث میں اس سے ممانعت موجود نہیں۔

کیا عورت ذبح کر سکتی ہے؟

اگر عورت کو جانور ذبح کرنے کا طریقہ آتا ہو تو اس کے لیے جانور ذبح کرنا جائز ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹیوں سے کہا کہ وہ اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کریں۔ (٦) علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عورتیں اگر اچھی طرح ذبح کر سکتی ہوں تو وہ اپنی قربانیاں خود ذبح کر سکتی ہیں۔ (۷)

---

(۱) [مسلم (۱۲۱۸)]
(۲) [صحیح : صحیح ابو داود ' ابو داود (۲۷۹۳)]
(۳) [بخاری (٥٥٥٤) کتاب الأضاحی]
(٤) [السیل الجرار (۲٤۳/۳)]
(٥) [المغنی لابن قدامة (۳۸۹/۱۳)]
(٦) [بخاری (قبل الحدیث /٥٥٥٩)]
(۷) [عمدة القاری (۱٥٥/۲۱)]

علاوہ ازیں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ایک لونڈی نے اپنی ایک قریب المرگ بکری کو پتھر کے ساتھ ذبح کر دیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے کھانے کی اجازت دے دی۔(۱) شیخ ابن جبرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر جانور ذبح کرنے کی دیگر شرائط پوری ہو رہی ہوں تو بوقتِ ضرورت عورت قربانی وغیرہ کا جانور ذبح کر سکتی ہے۔(۲)

مکمل اہل وعیال کی طرف سے ایک بکری کفایت کر جاتی ہے:

عطاء بن یسارؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قربانی کیسے ہوتی تھی؟ تو انہوں نے کہا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربان کرتا تھا وہ (اسے) کھاتے تھے اور کھلاتے تھے۔(۳) حضرت ابو سریحہؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گھر والوں نے ہم کو خلافِ سنت کام پر مجبور کیا اُس کے بعد کہ جب ہم سنت پر عمل کرتے تھے تو ایک گھر والے بکری یا دو بکریوں کی قربانی کرتے اور اب اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو ہمارے ہمسائے ہمیں بخیل کہتے ہیں۔(۴)

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ ایک بکری مکمل اہل وعیال کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے اور امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے' البتہ بعض نے کہا ہے کہ بکری صرف ایک نفس کی طرف سے ہی کفایت کرتی ہے اور یہ قول عبد اللہ بن مبارکؒ اور ان کے علاوہ (بعض دیگر) اہل علم کا ہے۔(۵) راجح مؤقف امام احمدؒ وغیرہ کا ہی ہے کیونکہ گزشتہ ابوایوب کی صحیح حدیث اسی کو ثابت کرتی ہے۔ امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ حق بات یہ ہے کہ ایک بکری (مکمل) گھر والوں کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے اگرچہ وہ سو یا اس سے بھی زیادہ نفس ہوں جیسا کہ سنت نے یہی

---

(۱) [بخاری (۵۵۰۱) کتاب الذبائح والصید]

(۲) [فتاوی إسلامیه (۲/ ۳۱۸)]

(۳) [**صحیح** : صحیح ترمذی' ترمذی (۱۵۰۵) ابن ماجة (۳۱٤۷)]

(٤) [**صحیح** : صحیح ابن ماجه' ابن ماجة (۳۱٤۸) حافظ بوصیریؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [مصباح الزجاجة (۳/ ۵۵)]

(۵) [جامع ترمذی (بعد الحدیث / ۱۵۰۵)]

فیصلہ کر دیا ہے۔(۱) امام ابن قیمؒ(۲) اور امام ابن قدامہؒ(۳) نے بھی یہی فرمایا ہے۔

اونٹ اور گائے کے حصے:

اونٹ کی قربانی میں دس افراد جبکہ گائے کی قربانی میں سات افراد شریک ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے تو قربانی کا وقت ہو گیا۔ ہم اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے اور گائے میں سات۔(٤) ایک اور حدیث سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذوالحلیفہ مقام پر تھے۔ ہمارے ہاتھ بکریاں اور اونٹ لگے۔ لوگوں نے جلدی جلدی انہیں ذبح کر کے ہانڈیاں چڑھا کر اُبالنی شروع کر دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہانڈیاں اُلٹ دینے کا حکم دیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا۔(٥)

تاہم جن روایات میں ہے کہ اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ''گائے سات آدمیوں کی طرف سے اور اونٹ بھی سات آدمیوں کی طرف سے قربان کیا جا سکتا ہے۔''(٦) ایسی تمام روایات کے متعلق اہل علم کہتے ہیں کہ یہ حج کے متعلق ہیں یعنی دورانِ حج قربانی کرنے والے ایک اونٹ میں صرف سات افراد ہی شریک ہوں گے اور بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے رخصت ہے یعنی اونٹ میں دس آدمی بھی شریک ہو سکتے ہیں اور سات بھی۔ (واللہ اعلم) علاوہ ازیں اگر استطاعت ہو تو اکیلا آدمی بھی اونٹ یا گائے کی قربانی کر سکتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر آلِ محمد کی طرف سے ایک گائے قربان کی۔(٧)

کیا مختلف لوگ مل کر ایک بکری قربان کر سکتے ہیں؟

ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ شریعت میں اتنا تو ثابت ہے کہ ایک بکری مکمل گھر والوں کی

---

(١) [نیل الأوطار (١٣٧/٥) السیل الجرار (٢٣٣/٣)]
(٢) [کمافی تحفه الأحوذی (٧٣/٥)]
(٣) [المغنی (٣٦٥/١٣)]
(٤) **[صحیح** : صحیح ابن ماجه' ابن ماجة (٣١٣١) ترمذی (٩٠٥) نسائی (٤٤٠٤)]
(٥) [بخاری (٢٥٠٧) نسائی (٤٤٠٣) ابو داود (٢٨٢١) ترمذی (١٤٩٢)]
(٦) **[صحیح** : صحیح ابوداود' ابو داود (٢٨٠٨)]
(٧) **[صحیح** : صحیح ابن ماجه' ابن ماجة (٣١٣٥)]

طرف سے کفایت کر جاتی ہے لیکن یہ بالکل ثابت نہیں کہ ایک بکری زیادہ گھرانوں یا مختلف افراد کی طرف سے کفایت کرتی ہے۔

قربانی کرنا افضل ہے یا قربانی کی قیمت صدقہ کر دینا؟

قربانی کی قیمت صدقہ کر دینے سے قربانی کرنا افضل ہے کیونکہ قربانی ایسی عبادت ہے جسے رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام' تابعین اور ائمہ عظام نے اپنایا ہے' اگر قربانی کے بجائے جانور کی قیمت صدقہ کرنا شروع کر دیا جائے تو یہ عبادت ختم ہوتی چلی جائے گی۔ علاوہ ازیں اگر صدقہ کرنا افضل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ضرور اس کی وضاحت فرما دیتے جبکہ ایسا کچھ بھی ثابت نہیں۔ امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ قربانی کی قیمت صدقہ کرنے سے قربانی کرنا افضل ہے' امام احمدؒ نے اس پر نص بیان کی ہے۔ (۱) شیخ ابن بازؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ (۲)

قربانی کا گوشت کیسے تقسیم کیا جائے؟

بعض علماء نے کہا ہے کہ قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کیے جائیں۔ ایک حصہ خود کھایا جائے' دوسرا حصہ اپنے اقرباء اور دوست احباب وغیرہ کو کھلا دیا جائے اور تیسرا حصہ غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے۔ امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ ان حضرات نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ قربانیوں کا تیسرا حصہ تمہارے لیے ہے اور تیسرا حصہ تمہارے گھر والوں کے لیے ہے اور تیسرا حصہ مساکین کے لیے ہے۔ (۳)

اگرچہ علماء نے اس تقسیم کو افضل کہا ہے لیکن یہ تقسیم ضروری نہیں بلکہ حسب ضرورت و احوال گوشت تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی اگر فقراء و مساکین زیادہ ہوں تو زیادہ گوشت صدقہ کر دینا چاہیے اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ لوگ اکثر و بیشتر خوشحال ہوں تو زیادہ گوشت خود بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور اسی طرح آئندہ ایام کے لیے ذخیرہ بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ قرآن میں مطلقاً قربانی کا گوشت کھانے اور کھلانے کا حکم دیا گیا ہے۔ [الحج : ۳٦] لہٰذا حسب ضرورت قربانی کا گوشت کھایا اور کھلایا جا سکتا ہے البتہ تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے

---

(۱) [المغنی (۳٦۱/۱۳)]

(۲) [فتاوی إسلامیة (۳۲۱/۲)]

(۳) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المغنی ابن قدامة (۳۷۹/۱۳)]

خاص مصلحت کے تحت ابتدائے اسلام میں منع فرما دیا تھا۔(۱) لیکن پھر اس کی اجازت دے دی تھی جیسا کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے جو قربانی کرے تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں اس میں سے کوئی چیز باقی نہ ہو۔ پس اگلے سال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا اس سال بھی ہم اسی طرح کریں جس طرح ہم نے گزشتہ سال کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کھاؤ اور کھلاؤ اور ذخیرہ کرو۔ بلاشبہ اُس سال لوگ مشقت میں تھے تو میں نے ارادہ کیا کہ تم ان کی مدد کردو۔''(۲)

مذکورہ دلائل سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین یا دو حصے بنا کر تقسیم کرنا ضروری نہیں بلکہ حالات کے مطابق کسی بھی طریقے سے گوشت کھایا اور کھلایا جا سکتا ہے اور ذخیرہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ تین دنوں سے زیادہ قربانیوں کا گوشت ذخیرہ کرنا جائز ہے۔(۳)

کیا غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دیا جا سکتا ہے؟

غیر مسلم اگر مستحق ہو تو اسے بھی قربانی کا گوشت دیا جا سکتا ہے کیونکہ شریعت میں غیر مسلموں سے تالیفِ قلب کی تلقین کی گئی ہے جیسا کہ فرض زکاۃ کے مصارف میں سے ایک مستقل مصرف ہی یہی مقرر کر دیا گیا ہے اور اس سے ممانعت بھی کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ امام ابن قدامہؒ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔(۴) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ قربانی میں مستحب یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے بنائے جائیں' ایک قربانی کرنے والے کے لیے' دوسرا اس کے دوست احباب کے لیے اور تیسرا مساکین کے لیے اور اس سے کافر کو دینا بھی جائز ہے اس کے فقر کی وجہ سے' یا اس کی قرابت داری کی وجہ سے' یا اس کی ہمسائیگی کی وجہ سے' یا اس کی تالیف قلب وجہ سے۔(۵)

قربانی کی کھالوں کا مصرف:

قربانی کی کھالوں کا بھی وہی مصرف ہے جو قربانی کے گوشت کا ہے یعنی جیسے قربانی کا

---

(۱) [مسلم (۱۹۷۱) كتاب الأضاحى]
(۲) [بخارى (۵۵۶۹) كتاب الأضاحى' مسلم (۱۹۷۴)]
(۳) [المغنى (۳۸۱/۱۳)]
(۴) [المغنى (۳۸۱/۱۳)]
(۵) [فتاوى أسلامية (۳۲۴/۲)]

گوشت خود بھی کھایا جا سکتا ہے دوسروں کو بھی کھلایا جا سکتا ہے اور صدقہ بھی کیا جا سکتا ہے اسی طرح کھال کو خود بھی استعمال کیا جا سکتا ہے کسی دوسرے کو بھی استعمال کے لیے دی جا سکتی ہے اور صدقہ بھی کی جا سکتی ہے کیونکہ اس کے استعمال کا کوئی الگ طریقہ کتاب وسنت میں موجود نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اب تم (قربانی کا گوشت) کھاؤ' ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔''(۱) اس سے معلوم ہوا کہ کھالوں کا بھی وہی مصرف ہے جو گوشت کا ہے کیونکہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق طور پر یہ فرمایا ہے کہ قربانیوں سے کھاؤ' ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔ اس لیے کھال کو خود استعمال کر لینا چاہیے مثلاً بطورِ مصلّٰی یا بطورِ چٹائی وغیرہ جیسا کہ صحابہ نے مشکیزے بنا لیے تھے۔ یا کسی دوست کو استعمال کے لیے دے دینی چاہیے یا صدقہ کر دینی چاہیے۔

کیا قربانی کا گوشت یا کھال فروخت کی جا سکتی ہے؟

نہ تو قربانی کا گوشت فروخت کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی کھال کیونکہ شریعت نے انہیں استعمال کرنے کا جو طریقہ بتلایا ہے فروخت کرنا اس میں شامل نہیں۔ امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ قربانی کی کسی چیز کو بھی فروخت کرنا جائز نہیں نہ اس کا گوشت اور نہ ہی اس کا چمڑا خواہ قربانی واجب ہو یا نفل۔ امام احمدؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔(۲)

کیا قربانی کا گوشت یا کھال قصائی کو بطور اجرت دی جا سکتی ہے؟

ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ان قربانی کے جانوروں کے جھول اور ان کے چمڑے صدقہ کر دوں جن کی قربانی میں نے کر دی تھی۔(۳) صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں کی نگرانی کروں اور میں ان قربانیوں کا گوشت اور ان کے چمڑے اور ان کی جلیں صدقہ کر دوں اور ان سے (کچھ بھی) قصائی کو نہ دوں'' اور (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ ہم اسے

---

(۱) [مسلم (۱۹۷٤) كتاب الأضاحى]

(۲) [المغنى (۳۸۲/۱۳)]

(۳) [بخارى (۱۷۰۷) كتاب الحج : باب الجلال للبدن]

(یعنی قصائی کو) اپنے پاس سے (معاوضہ) دیا کرتے تھے۔[۱] ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانوروں کی ہر چیز حتی کہ جل تک بھی صدقہ کر دی جائے اور قصائی کو ان میں سے بطورِ اجرت کچھ نہ دیا جائے بلکہ اجرت علیحدہ دینی چاہیے۔

زندہ افراد کی طرف سے قربانی:

اپنے علاوہ دیگر زندہ افراد کی طرف سے قربانی کرنا بالاتفاق جائز ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔[۲] اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی زندہ افراد یعنی گھر والوں یا دوست احباب وغیرہ کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو جائز ہے۔

میت کی طرف سے قربانی:

اس کی مختلف صورتیں ہیں:

① قربانی تو زندہ افراد کی طرف سے کی جائے لیکن اس میں فوت شدگان کو بھی شریک کر لیا جائے یہ جائز ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈھے کو ذبح کرنے کے لیے لٹایا پھر فرمایا ''اللہ کے نام کے ساتھ اے اللہ! محمد، آلِ محمد اور امتِ محمد کی طرف سے (اسے) قبول فرما'' پھر اسے ذبح کر دیا۔[۳] ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھوں کو لٹایا اور پھر کہا ''اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ سب سے بڑا ہے' (یہ جانور) محمد کی طرف سے اور اس کی امت میں سے جس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دی اور میرے لیے پیغام پہنچانے کی گواہی دی' کی طرف سے (قبول فرما)۔''[٤]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی میں اپنے گھر والوں کے ساتھ پوری امت کو بھی شریک کیا اور یقیناً اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے کئی افراد فوت ہو چکے تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ اپنی قربانی میں فوت شدگان کو بھی شریک کیا جا سکتا ہے۔ شیخ ابن بازؒ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا

---

(۱) [مسلم (۱۳۱۷) کتاب الحج]

(۲) [بخاری (٥٥٤٨) کتاب الأضاحی : باب الأضحیة للمسافر والنساء]

(۳) [مسلم (۱۹٦۷) کتاب الأضاحی]

(٤) [إرواء الغلیل (٤/۲٥۱)]

ہے۔(۱) شیخ ابن عثیمینؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ میت کے لیے قربانی کی دو قسمیں ہیں:

1- یہ کہ شرعی قربانی ہو اور وہ یہ ہے کہ جو عید الاضحیٰ میں اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کی جاتی ہے اور اس کا ثواب میت کے لیے مقرر کر دیا جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس سے بھی افضل یہ ہے کہ انسان اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربانی کرے اور اس کے ساتھ زندہ اور مردہ (افراد) کی بھی نیت کر لے تو تبعاً میت بھی اس میں شامل ہو جائے گی کیونکہ نبی ﷺ نے اپنے گھر کے فوت شدگان میں سے کسی کی طرف سے قربانی نہیں کی۔ آپ ﷺ کی تین بیٹیاں ''زینب' ام کلثوم اور رقیہ رضی اللہ عنہن'' فوت ہوئیں لیکن آپ ﷺ نے ان کی طرف سے قربانی نہیں کی اور اسی طرح خدیجہ رضی اللہ عنہا جو آپ کو بیویوں میں سب سے زیادہ محبوب تھیں' آپ نے ان کے لیے بھی قربانی نہیں کی اور اسی طرح آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو جنگ احد میں شہید کر دیئے گئے آپ نے ان کی طرف سے بھی قربانی نہیں کی۔ ہاں لیکن آپ ﷺ نے اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربانی کی ہے۔

2- میت کی طرف سے جانور ذبح کرنا جیسا کہ بعض جاہل لوگ ایسا کرتے ہیں میت کے لیے اس کی وفات کے ساتویں روز جانور ذبح کیا جاتا ہے یا اس کی وفات کے چالیسویں روز' یا اس کی وفات کے تیسرے روز' یہ بدعت ہے اور جائز نہیں کیونکہ یہ ایسے بے فائدہ کام میں مال کا ضیاع ہے جس میں نہ تو دینی فائدہ ہے اور نہ دنیاوی' بلکہ دینی نقصان میں (مال کا ضیاع ہے) اور تمام بدعتیں گمراہی ہیں جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہر بدعت گمراہی ہے۔'' (واللہ الموفق)(۲)

② دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی فوت ہونے سے پہلے اپنے ثلث مال میں سے قربانی کرنے کی وصیت کر جائے یا ایک خاص رقم اس غرض سے وقف کر جائے تو میت کے ورثاء پر لازم ہے کہ اس کے ترکے میں سے اس کی طرف سے قربانی کریں کیونکہ قربانی کے بقدر مال وقف ہونے کی وجہ سے اب اللہ تعالیٰ کا ہو چکا ہے اس میں بندوں کا کوئی حق نہیں اسے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے صرف کرنا بہر صورت ضروری ہے۔(۳)

③ تیسری صورت یہ ہے کہ جانور قربان کر کے سارا جانور ہی صدقہ کر دیا جائے تو یہ بھی جائز

---

(۱) [فتاوی إسلامية (۳۲۱/۲)]

(۲) [فتاوی منار الإسلام (٤١١/۲)]

(۳) [بخاری (۲۷۷۲) كتاب الوصايا : باب الوقف كيف يكتب؟]

ہے کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میرا والد فوت ہو گیا ہے اور اس نے مال چھوڑا ہے لیکن وصیت نہیں کی اگر اس کی طرف سے صدقہ کر دیا جائے تو کیا یہ اس (کے گناہوں) کا کفارہ بن جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں''۔(۱) اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول! بے شک میری والدہ اچانک فوت ہو گئی ہے اور اس نے وصیت نہیں کی' میں اس کے متعلق گمان کرتا ہوں کہ اگر وہ کچھ بولتی تو صدقہ کر دیتی۔ تو کیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کر دوں تو اسے اجر ملے گا؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں۔''(۲)

④ چوتھی صورت یہ ہے کہ صرف میت کی طرف سے ہی قربانی کی جائے جیسا کہ آج کل عام رواج ہے کہ کوئی اپنے والد کی طرف سے قربانی کرتا ہے اور اس کا الگ جانور خریدتا ہے جو کہ صرف والد کی طرف سے قربان کیا جاتا ہے تو اس کا شریعت میں کہیں ثبوت نہیں ملتا اس لیے اس عمل سے اجتناب ہی بہتر ہے علاوہ ازیں اگر میت کی طرف سے قربانی کرنی ہو تو پہلی تینوں صورتوں میں سے کسی کے مطابق کی جا سکتی ہے۔ (واللہ اعلم)

والدین کی طرف سے قربانی:

شیخ ابن عثیمین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ والدین کے لیے استغفار کرنا جبکہ وہ زندہ ہوں جائز ہے اور یہ قربانی سے افضل ہے لیکن اگر انسان اپنی طرف سے اور اپنے بقید حیات اور فوت شدہ گھر والوں کی طرف سے ایک قربانی کر دے تو کافی ہو جائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے اپنے گھر والوں میں سے (فوت شدہ) کسی ایک کی طرف سے بھی قربانی کی ہو۔ ہاں (اتنا ضرور ہے کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے قربانی کی اور اس میں اپنے زندہ اور فوت شدہ گھر والوں کو بھی شریک کر لیا۔(۳)

سود کے مال سے قربانی کا حکم:

جیسا کہ ابتداء میں شروطِ قربانی کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے کہ قربانی پاکیزہ مال سے کرنی

---

(۱) [مسلم (۱٦۳۰) کتاب الوصیة : باب وصول ثواب الصدقات إلى المیت]

(۲) [بخاری (۱۳۸۸) کتاب الجنائز : باب موت الفجأة البغتة' مسلم (۱۰۰٤)]

(۳) [فتاوی منار الإسلام (۲/٤۱۵)]

چاہیے' حرام مال سے کی ہوئی قربانی قبول نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! بیشک اللہ پاک ہے اور صرف پاکیزہ چیز کو ہی قبول کرتا ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا ہے۔ فرمایا "اے رسولو! پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو بیشک میں اس کا علم رکھتا ہوں جو تم عمل کرتے ہو" اور فرمایا "اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ آدمی لمبا سفر کرتا ہے سر پراگندہ ہے' قدم غبار آلود ہیں' وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے (اور کہتا ہے) اے میرے پروردگار! اے میرے پروردگار! لیکن اس کا کھانا حرام ہے' اس کا پینا حرام ہے' اس کا پہننا حرام ہے' اور حرام سے اسے غذا دی جاتی ہے تو کیسے اس کی دعا قبول کی جائے؟"۔ (۱) ایک اور حدیث میں ہے کہ "وضوء کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی صدقہ خیانت کے مال (یعنی حرام مال) سے قبول ہوتا ہے۔" (۲)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جیسے وضوء کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی اسی طرح حرام مال سے کیا ہوا صدقہ بھی قبول نہیں ہوتا۔ سود کا مال بھی حرام ہے اور حرام مال سے قربانی قبول نہیں ہوتی لہٰذا سود کے مال سے بھی قربانی قبول نہیں ہوگی۔

بے نماز کی قربانی:

یہ بات ثابت ہے کہ جان بوجھ کر دائمی طور پر نماز چھوڑ دینے والا شخص کافر ہے۔ مشرکین کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اگر یہ لوگ توبہ کر لیں اور نماز قائم کر لیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔" [التوبة: ۱۱] اس آیت سے از خود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو تمہارے دینی بھائی نہیں اور یہاں یہ بھی یاد رہے کہ دینی بھائی چارہ صرف اسلام سے خارج ہونے سے ہی ختم ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ "کفر و شرک اور (مسلمان) بندے کے درمیان فرق نماز کا چھوڑ دینا ہے۔" (۳) جمہور علما کا مؤقف یہ ہے کہ وجوب کا اعتقاد رکھتے ہوئے محض تساہل و تکاسل کے باعث اگر نماز چھوڑ دے تو وہ کافر نہیں ہوگا بلکہ فاسق ہو جائے گا' اگر وہ توبہ کرے تو ٹھیک ورنہ شادی

(۱) [مسلم (۱۰۱۵) کتاب الزکاة: باب قبول الصدقة من الکسب الطیب و تربیتها]

(۲) [مسلم (۲۲۴) کتاب الطهارة: باب وجوب الطهارة للصلاة]

(۳) [مسلم (۸۲) احمد (۳/۳۷۰) ابو داود (۴۶۷۸) ترمذی (۲۶۱۸)]

شدہ زانی کی طرح اسے بطورِ حد قتل کر دیا جائے گا نیز اسے تلوار کے ساتھ قتل کیا جائے گا۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ بے نماز کو اس کے کفر کی وجہ سے قتل کر دیا جائے گا۔ (۱) معلوم ہوا کہ جان بوجھ کر دائمی طور پر نماز چھوڑ دینے والا شخص کافر ہے۔ امام ابن تیمیہؒ (۲)، امام شوکانیؒ (۳)، امام نوویؒ (٤)، شیخ ابن جبرین (٥) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (٦) نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

مذکورہ دلائل سے ثابت ہوا کہ بے نماز اسلام سے خارج ہے لہٰذا اس کی قربانی ہی نہیں بلکہ کوئی عبادت بھی قبول نہیں۔

کیا مقروض شخص قربانی کر سکتا ہے؟

شریعت سے کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ مقروض شخص قربانی نہیں کر سکتا ہاں اتنا ضرور ہے کہ قرض لینے کے بعد اسے جلد از جلد اتارنے کی کوشش کرنی چاہیے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر مقروض شخص قربانی کرے گا تو اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی بلکہ قربانی عبادت ہے اور نبی ﷺ کی سنت ہے اس لیے اگر مقروض شخص بھی قربانی جیسی عبادت کے ذریعے تقرب الٰہی حاصل کر سکتا ہے تو اسے ضرور ایسا کرنا چاہیے۔ (واللہ اعلم)

قربانی اور منکرین حدیث:

چونکہ قرآن میں قربانی کا ذکر مسائل حج کے ضمن میں ہوا ہے اس لیے منکرین حدیث نے اسی سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ قربانی صرف حاجیوں کے لیے ہے دیگر مسلمانوں کے لیے مشروع نہیں' لیکن یہ بات اس لیے درست نہیں کیونکہ کتاب و سنت میں متعدد مقامات پر قربانی کا حکم مطلق طور پر مذکور ہے جیسا کہ قرآن میں ہے ''اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر'' [الکوثر : ۲] اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

---

(۱) [الأم (٤٢٤/١) الحاوي (٥٢٥/٢) روضة الطالبين (٦٦٨/١) المغني (٣٥١/٣) الإنصاف (٤٠١/١) القوانين الفقهية (ص/٤٢) مغني المحتاج (٣٢٧/١)]

(۲) [الصارم المسلول (٥٥٤) مجموع الفتاوى (٩٧/٢٠)]

(۳) [نيل الأوطار (٤٢٤/١)]

(٤) [شرح مسلم للنووي (١٧٨/٤)]

(٥) [فتاوى إسلامية (٢٩٦/١)]

(٦) [فتاوى إسلامية (٣١١/١-٣١٢)]

فرمایا ''اے لوگو! بے شک ہر گھر والوں پر ہر سال قربانی مشروع ہے۔''(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر سال ہر گھر والوں کے لیے قربانی مشروع ہے اور یقیناً ہر گھر والے حج کے لیے نہیں گئے ہوتے لہٰذا منکرین حدیث کا یہ دعویٰ بے بنیاد ہے۔

دارالحرب میں قربانی کا حکم:

قربانی سنت مؤکدہ ہے اور باعث اجر وثواب ہے اس لیے اگر دارالحرب میں بھی قربانی کی اجازت ہو تو ضرور قربانی کرنی چاہیے لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو قربانی نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہوگا کیونکہ قربانی سنت ہے واجب نہیں اور مزید اس صورت میں اضطراری حالت بھی ہے اور ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی صادق آتا ہے کہ ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ [البقرة: ٢٨٦] ''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

کیا قربانی معاشی نقصان کا باعث ہے؟

فی الحقیقت یہ سوال ایسے لوگوں کا اٹھایا ہوا ہے جو مغرب زدہ مادہ پرست ہیں اور ہر عمل کو معاشی مفاد کے ساتھ تولتے ہیں ان کا جواب دیتے ہوئے مولانا مودودیؒ رقمطراز ہیں کہ

''دراصل اس وقت قربانی کی جو مخالفت کی جارہی ہے اس کی بنیاد یہ نہیں کہ کسی نے علمی طریقے پر قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا ہو اور اس میں قربانی کا حکم نہ پایا ہو بلکہ اس مخالفت کی حقیقی بنیاد صرف یہ ہے کہ اس مادہ پرستی کے دور میں لوگوں کے دل و دماغ پر معاشی مفاد کی اہمیت بری طرح مسلط ہوگئی ہے اور معاشی قدر کے سوا کسی چیز کی کوئی دوسری قدر ان کی نگاہ میں باقی نہیں رہی۔ وہ حساب لگا کر دیکھتے ہیں کہ ہر سال کتنے لاکھ یا کتنے کروڑ مسلمان قربانی کرتے ہیں اور اس پر اوسطاً کس کتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ اس حساب سے ان کے سامنے قربانی کے مجموعی خرچ کی ایک بہت بڑی رقم آتی ہے اور وہ چیخ اٹھتے ہیں کہ اتنا روپیہ محض جانوروں کی قربانی پر ضائع کیا جارہا ہے' حالانکہ اگر یہی رقم قومی اداروں یا معاشی منصوبوں پر صرف کی جاتی تو اس سے بے شمار فائدے حاصل ہو سکتے تھے۔

مگر میں کہتا ہوں کہ یہ ایک سراسر غلط ذہنیت ہے جو غیر اسلامی اندازِ فکر سے ہمارے اندر پرورش پا رہی ہے۔ اگر اس کو اسی طرح نشوونما پانے دیا گیا تو کل ٹھیک اسی طریقے

(۱) [حسن: صحیح ابو داود' ابو داود (۲۷۸۸) ترمذی (۱۵۱۸) ابن ماجة (۳۱۲۵)]

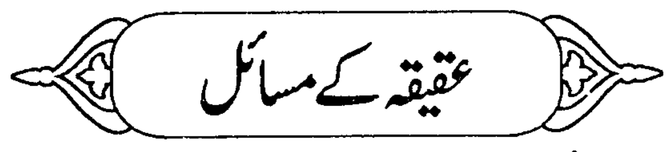
سے استدلال کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ ہر سال اتنے لاکھ مسلمان اوسطاً اتنا روپیہ سفر حج پر صرف کر دیتے ہیں جو مجموعی طور پر اتنے کروڑ روپیہ بنتا ہے' محض چند مقامات کی زیارت پر اتنی خطیر رقم سالانہ صرف کر دینے کے بجائے کیوں نہ اسے بھی قومی اداروں اور معاشی منصوبوں اور ملکی دفاع پر خرچ کیا جائے۔ یہ محض ایک فرضی قیاس ہی نہیں ہے بلکہ فی الواقع اسی ذہنیت کے زیر اثر ترکیہ کی لادینی حکومت نے 25 سال تک حج بند کیے رکھا۔

پھر کوئی دوسرا شخص حساب لگائے گا کہ ہر روز اتنے کروڑ مسلمان پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں اور اس میں اوسطاً کس اتنا وقت صرف ہوتا ہے جس کا مجموعہ اتنے لاکھ گھنٹوں تک جا پہنچتا ہے۔ اس وقت کو اگر کسی مفید معاشی کام میں استعمال کیا جاتا تو اس سے اتنی معاشی دولت پیدا ہوسکتی تھی۔ لیکن بُرا ہو ان ملاؤں کا کہ انہوں نے مسلمانوں کو نماز میں لگا کر صدیوں سے انہیں اس قدر خسارے میں مبتلا کر رکھا ہے یہ بھی کوئی فرضی قیاس نہیں ہے بلکہ فی الواقع سوویت روس میں بہت سے ناصحین' مشفقین نے وہاں کے مسلمانوں کو نماز کے معاشی نقصانات اسی منطق سے سمجھائے ہیں...... پھر یہی منطق روزے کے خلاف بھی بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کی جاسکتی ہے اور اس کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان نری معیشت کی میزان پر تول تول کر اسلام کی ایک ایک چیز کو دیکھتا جائے گا اور ہر اس چیز کو ''ملاؤں کی ایجاد'' قرار دے کر ساقط کرتا چلا جائے گا جو اس میزان میں اس کو بے وزن نظر آئے گی۔ کیا فی الواقع اب مسلمانوں کے پاس اپنے دین کے احکام کو جانچنے کے لیے صرف ایک یہی معیار رہ گیا ہے۔ (۱)



(۱) [تفہیمات حصہ دوم ص۲۵۲ تا ۲۶۲ طبع نہم نومبر 1981ء۔ تفہیم الأحادیث (۴/۴۷۰)]





عقیقہ کے مسائل

عقیقہ کا معنی ومفہوم:

عقیقہ ایسے جانور کو کہتے ہیں جو نومولود بچے کی طرف سے پیدائش کے ساتویں روز ذبح کیا جاتا ہے۔ صاحب قاموس فرماتے ہیں کہ عقیقہ کھیرے کی اون کو اور اس بکری کو کہتے ہیں جو نومولود بچے کے بال منڈانے کے وقت ذبح کی جاتی ہے۔[1] صاحب معجم الوسیط فرماتے ہیں کہ عقیقہ (کی مختلف تعریفیں ہیں): ① ہر بچے کے وہ بال جو اسی وقت اُگ آتے ہیں جب بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہی ہوتا ہے خواہ وہ انسان کا بچہ ہو یا مویشیوں کا۔ ② وہ جانور جسے نومولود بچے کی طرف سے پیدائش کے ساتویں روز اس کے بال منڈانے کے وقت ذبح کیا جاتا ہے۔[2] عربی گرائمر میں عقیقہ کرنے کے لیے باب عَقَّ يَعُقُّ (بروزن نصر) استعمال ہوتا ہے۔[3] امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ عقیقہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے نومولود بچے کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے۔[4] امام ابن اثیرؒ بیان کرتے ہیں کہ عقیقہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے نومولود بچے کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے اور ان بالوں کو بھی کہا جاتا ہے جو بچے کے سر پر اس کی ماں کے پیٹ میں ہی نکل آتے ہیں۔[5]

عقیقہ کی مشروعیت:

عقیقہ کرنا سنت مؤکدہ اور مستحب عمل ہے اس لیے جو شخص استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنی اولاد کی طرف سے ضرور عقیقہ کرے۔ حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بچے کے ساتھ عقیقہ (لازم) ہے لہٰذا تم اس کی

---

(۱) [القاموس المحیط (ص/۸۳۹)]

(۲) [المعجم الوسیط (ص/۶۱۶)]

(۳) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المنجد (۵۶۹) تحفة الأحوذی (۸۵/۵) نیل الأوطار (۳۹۸/۳) الفقه الإسلامی وأدلته (۲۷۴۵/٤)]

(٤) [المغنی (۳۹۳/۱۳)]

(۵) [النهایة (۲۷۶/۳۔۲۷۷)]

طرف سے قربانی کرو اور اس سے تکلیف دور کرو (یعنی اس کا سر منڈاؤ)۔''(۱) حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہوتا ہے' پیدائش کے ساتویں روز اس کا عقیقہ کیا جائے' اس کا نام رکھا جائے اور سر کے بال منڈائے جائیں۔''(۲) ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو ضرور قربانی کرے۔''(۳)

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حاصل یہی ہے کہ عقیقہ اسلام کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔(٤) امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عقیقہ سنت ہے عام اہل علم' جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' فقہائے تابعین وغیرہ شامل ہیں' کا یہی قول ہے مگر اصحاب الرائے نے کہا ہے کہ عقیقہ سنت نہیں بلکہ جاہلیت کا کام ہے۔(٥) شیخ ابن جبرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ عقیقہ سنتِ مؤکدہ ہے۔ البتہ بعض علماء کے خیال میں واجب ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہوتا ہے' پیدائش کے ساتویں روز اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔'' لیکن یہ حدیث محض اس کی تاکید کا فائدہ دیتی ہے اور اصل عدم وجوب ہی ہے۔(٦) شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ عقیقہ کے سنت یا واجب ہونے میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے لیکن اکثر اہل علم کے نزدیک یہ سنتِ مؤکدہ ہے۔(۷)

عقیقہ کی حکمت:

یقیناً اولاد اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور ہر نعمت کا شکر ادا کرنا اللہ تعالیٰ نے ضروری قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا ﴿ وَاشْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴾ [النحل: ١١٤] ''اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو۔'' اس لیے عقیقہ

---

(۱) [بخاری (٥٤٧٢) ابو داود (٢٨٣٩) ترمذی (١٥١٥) ابن ماجة (٣١٦٤)]

(۲) [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (٢٨٣٨) ترمذی (١٥٢٢) ابن ماجة (٣١٦٥)]

(۳) [ابو داود (٢٧٤٢) نسائی (١٦٢/٧) مشکل الآثار (٤٦١/١) حاکم (٢٣٨/٤)]

(٤) [السیل الجرار (٢٥١/٣)]

(٥) [المغنی (٣٩٣/١٣)]

(٦) [فتاوی إسلامیة (٣٢٤/٢)]

(۷) [فتاوی إسلامیة (٣٢٤/٢)]

مشروع قرار دے دیا گیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے نعمت عطا کرنے پر اس کا شکر بھی ادا ہو جائے اور اقرباء و دوست احباب کی ضیافت کے ساتھ ساتھ غرباء اور مساکین کا بھی فائدہ ہو جائے۔ شیخ ابن عثیمینؒ نے فرمایا ہے کہ بچے کا عقیقہ ایسی قربانی ہے جسے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اور نعمتِ اولاد پر اس کا شکر ادا کرنے کے لیے پیدائش کے ساتویں روز ذبح کیا جاتا ہے۔(۱)

اگر عقیقہ کی طاقت نہ ہو:

اگر عقیقہ کرنے کی طاقت نہ ہو تو پھر دیگر احکام کی طرح عقیقہ کا حکم بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ [التغابن : ١٦] ''حسب استطاعت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔'' ایک دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ [البقرة : ٢٨٦] ''اللہ تعالیٰ کسی نفس کو بھی اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف میں نہیں ڈالتے۔'' فرمانِ نبوی ہے کہ ''جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو جتنی تم میں طاقت ہو اس پر عمل کر لو۔''(۲) نیز کتب اصول میں بھی یہ ثابت ہے کہ ''ناممکن کام کی تکلیف جائز نہیں۔''(۳) شیخ ابن عثیمینؒ نے فرمایا ہے کہ اگر انسان اپنی اولاد کی پیدائش کے وقت فقیر ہو تو اس پر عقیقہ لازم نہیں کیونکہ وہ عاجز ہے اور عاجز ہونے کی وجہ سے عبادات ساقط ہو جاتی ہیں۔(۴)

عقیقہ کے لیے کون سا جانور قربان کیا جائے؟

احادیث میں عقیقہ کے لیے جن جانوروں کی قربانی کا ذکر ملتا ہے وہ بکری اور دنبہ ہے جیسا کہ حضرت ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ''لڑکے کی طرف سے دو برابر بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری (قربان کی جائے)۔''(۵) ایک روایت میں ہے کہ ''جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری قربان کر دے۔''(۶) ایک دوسری

---

(۱) [فتاوی إسلامية (٣٢٤/٢)]

(۲) [مسلم (١٣٣٧) نسائی (١١٠/٥ ـ ١١١)]

(۳) [إرشاد الفحول (٣٠/١) الإحكام للآمدی (١٨٧/١) الوجيز (ص/٧٧)]

(۴) [فتاوی إسلامية (٣٢٦/٢)]

(۵) [صحيح : صحیح ابو داود ' ابو داود (٢٨٣٤) احمد (٣٨١/٦) حمیدی (١٦٧/١)]

(۶) [ابو داود (٢٨٤٢) احمد (١٨٢/٢) حاکم (٢٣٨/٤) بیهقی (٣٠٠/٩) امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔]



روایت میں ہے کہ ''لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک (بکری قربان کرو)۔''(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے دو دو دنبے ذبح کیے۔(۲)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کے لیے صرف بکری اور دنبے کا ہی ذکر کیا ہے اس لیے صرف یہی جانور ذبح کرنے چاہیں۔ البتہ بعض علماء نے عقیقہ کے لیے اونٹ اور گائے کی قربانی کو بھی درست قرار دیا ہے جیسا کہ امام شوکانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ ''جمہور گائے اور بکری کو (عقیقہ کے لیے) کافی قرار دیتے ہیں۔''(۳) اور دکتور وہبہ زحیلی نقل فرماتے ہیں کہ عقیقہ بھی قربانی کی طرح أنعام یعنی اونٹ' گائے اور بھیڑ بکریوں سے کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گائے اور اونٹ سے عقیقہ نہیں کیا جائے گا۔(٤) جن حضرات نے عقیقہ کے لیے اونٹ اور گائے کی قربانی کو بھی جائز کہا ہے ان کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی وہ روایت ہے جس میں یہ لفظ ہیں ''بچے کی طرف سے اونٹ' گائے اور بکری سے عقیقہ کیا جا سکتا ہے۔'' لیکن وہ روایت ثابت نہیں۔(٥) لہٰذا ثابت ہوا کہ صحیح احادیث میں صرف بکری اور دنبہ ذبح کرنے کا ہی ذکر ہے اس لیے عقیقہ میں صرف انہی کو قربان کیا جائے گا۔ (واللہ اعلم) حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔(٦)

عقیقہ کے جانور نر ہوں یا مادہ؟

عقیقہ کے لئے نر اور مادہ دونوں طرح کے جانور قربان کیے جا سکتے ہیں جیسا کہ حضرت اُم کرز رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سنا آپ نے فرمایا ''لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے' (یہ جانور) نر ہوں یا مادہ تمہیں کوئی چیز نقصان نہیں دے گی۔''(۷)

---

(۱) [احمد (٦/٣٨١) ترمذی (١٥١٦) حاکم (٤/٢٣٧) دار قطنی (٤/٢٧٠)]

(۲) [صحیح: صحیح نسائی' نسائی (٤٢٢٤) إرواء الغلیل (١١٦٤)]

(۳) [نیل الأوطار (٣/٦٠٥)]

(٤) [الفقہ الإسلامی وأدلتہ (٣/٦٣٧)]

(٥) [طبرانی صغیر (١/٨٤) فتح الباری (١١/١١)] امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں مسعدۃ بن الیسع راوی کذاب ہے۔ [مجمع الزوائد (٤/٦١)]

(٦) [احکام ومسائل (١/٤٤٧)]

(۷) [صحیح: ارواء الغلیل (٤/٣٩٠) صحیح موارد الظمآن (٨٨٥)' المشکاۃ (٤١٥٢)]

عقیقہ کے لیے کتنے جانور قربان کیے جائیں؟

لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری قربان کی جائے گی جیسا کہ حضرت ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری (ذبح کی جائے)۔''(۱) امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ دونوں بکریاں ایک دوسرے کے مساوی یا ایک دوسرے کے قریب قریب ہوں۔(۲) امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں جانور عمر میں برابر ہوں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے ایک دوندا ہو اور دوسرا دوندا نہ ہو۔(۳) البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک ایک دنبہ ذبح کیا۔(٤) تو ان میں تطبیق کی مختلف صورتیں حسب ذیل ہیں:

① جن احادیث میں دو بکریوں کا ذکر ہے وہ زیادتی پر مشتمل ہیں لہٰذا اس حیثیت سے وہ قبول کیے جانے کی زیادہ مستحق ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہی ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے دو دو دنبے ذبح کیے۔

② قول کو فعل پر ترجیح ہوتی ہے (یعنی اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لڑکے کی طرف سے بھی ایک دنبہ ذبح کیا ہے لیکن ہمیں لڑکے کی طرف سے دو جانور ذبح کرنے کا کہا ہے اس لیے ہمیں اس پر عمل کرتے ہوئے لڑکے کی طرف سے دو جانور ذبح کرنے چاہییں)۔

③ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بکری پر اکتفاء کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ (لڑکے کی طرف سے) دو بکریاں متعین نہیں بلکہ مستحب ہیں اور ایک بکری مستحب نہیں بلکہ جائز ہے۔(٥)

اور شیخ البانیؒ رقمطراز ہیں کہ یہ حدیث صحیح تو ہے لیکن اس سے بھی زیادہ صحیح سنن نسائی کی وہ حدیث ہے جس میں ''كبشين كبشين'' یعنی دو دو دنبے قربانی کرنے کا ذکر ہے۔(٦)

---

(۱) [صحيح: ابو داود (٢٨٣٤) إرواء الغليل (٣٩٠/٤)]

(۲) [سنن أبو داود (بعد الحديث/٢٨٣٤)]

(۳) [معالم السنن (٢٨٤/٤)]

(٤) [ابو داود (٢٨٤١) نسائي (١٦٥/٧) مشكل الآثار (٤٥٧/١) عبد الرزاق (٧٨٦٢)]

(٥) [نيل الأوطار (٥٠١/٣)]

(٦) [صحيح ابو داود (٢٤٦٦)]

درج بالا بحث سے معلوم ہوا کہ لڑکے کی طرف سے دو جانور ذبح کرنا ہی زیادہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اس لیے اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

عقیقہ کا جانور قربان کرتے وقت بسم اللہ کہنا:

عقیقہ کا جانور قربان کرتے وقت قربانی کی طرح بسم اللہ کہنا چاہیے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ عقیقہ پر اُسی طرح بسم اللہ کہنی چاہیے جیسے قربانی پر بسم اللہ کہی جاتی ہے (مثلاً) **بسم الله عقيقة فلان** (اللہ کے نام کے ساتھ فلاں کا عقیقہ کیا جاتا ہے)۔ (۱)

عقیقہ کے جانور میں قربانی کے جانور کی شرائط:

احادیث میں مطلقاً **شاة** یا **شاتين** کا لفظ ہے۔ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عقیقہ کے جانور میں قربانی کے جانور کی شرائط عائد نہیں کی جائیں گی۔ امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ تحقیق ''شاتین'' (یعنی دو بکریوں کے لفظ) کے مطلق طور پر ذکر سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عقیقہ کے جانور میں وہ شرائط عائد نہیں کی جائیں گی جو قربانی کے جانور کی ہیں اور یہی بات برحق ہے۔ (۲) علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے فرمایا ہے کہ اصلاً کسی بھی صحیح حدیث سے یہ شرائط عائد کرنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ نہ ہی کسی ضعیف حدیث سے ثابت ہوتا ہے اور جو لوگ یہ شرائط لگانے کے قائل ہیں ان کے پاس قیاس کے سوا کوئی دلیل نہیں۔ (۳) تاہم عقیقہ کے جانور کے ساتھ متقارب یا مساوی کی قید اس بات کی متقاضی ہے کہ شریعت نے قربانی کے جانور میں جن عیوب و نقائص سے بچنے کا حکم دیا ہے انہیں عقیقہ کے جانور میں بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ (واللہ اعلم) امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ بلاشبہ عقیقہ کے جانور میں بھی ان عیوب سے بچا جائے گا جن سے قربانی (کے جانور) میں اجتناب کیا جاتا ہے۔ (۴)

عقیقہ کا وقت:

عقیقہ بچے کی پیدائش کے ساتویں روز کیا جائے گا جیسا کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہے۔ پیدائش کے ساتویں

---

(۱) [مصنف عبد الرزاق (٢٤٢٦٠) كتاب العقيقة]

(۲) [نيل الأوطار (٥٠٦/٣)]

(۳) [تحفة الأحوذي (٩٩/٥)]

(٤) [المغني (٣٩٩/١٣)]

روز اس کا عقیقہ کیا جائے۔ سر کے بال منڈائے جائیں اور اس کا نام رکھا جائے۔"(۱) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ وہ ساتویں روز بچے کی طرف سے عقیقہ کا جانور ذبح کرنا مستحب سمجھتے ہیں۔(۲) امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ سنت یہ ہے: ساتویں دن (عقیقہ کا جانور) ذبح کیا جائے۔(۳)

اگر کوئی ساتویں روز سے پہلے عقیقہ کر لے:

ایسا شخص سنت کی خلاف ورزی کرنے والا ہے کیونکہ نبی ﷺ نے عقیقہ کے لیے جو دن مقرر فرمایا ہے وہ پیدائش کا ساتواں روز ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے اتنا ضرور ہے کہ اگر کوئی ساتویں روز سے پہلے ہی عقیقہ کر لیتا ہے تو بچہ گروی سے آزاد ہو جائے گا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ہر بچہ اپنے عقیقے کے عوض گروی ہے۔" اب چونکہ عقیقہ ہو چکا ہے اس لیے وہ گروی سے تو آزاد ہو گیا ہے لیکن یہ شخص سنت کو نہیں حاصل کر سکا کیونکہ سنت یہی ہے کہ ساتویں روز عقیقہ کیا جائے۔ (واللہ اعلم)

کیا ساتویں روز کے بعد عقیقہ کیا جا سکتا ہے؟

ساتویں روز کے بعد بھی عقیقہ کیا جا سکتا ہے خواہ بچہ بالغ ہی کیوں نہ ہو گیا ہو کیونکہ وہ بچہ ابھی تک گروی ہے اور اسے گروی سے چھڑانے کے لیے عقیقہ ہی کرنا پڑے گا۔ اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں روز کے بعد چودہویں یا اکیسویں روز عقیقہ کرنا چاہیے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "عقیقہ کا جانور ساتویں روز ذبح کیا جائے یا چودہویں روز یا اکیسویں روز۔"(٤) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ (ساتویں روز کے بعد بھی) عقیقہ کفایت کر جاتا ہے لیکن پیدائش کے ساتویں روز سے اسے مؤخر کر دینا خلاف سنت ہے اور ہر لڑکا اور لڑکی جو بچپن میں فوت ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے مومن والدین میں سے اس کو نفع دے گا جس نے صبر کیا۔"(٥) ایک اور فتویٰ کے الفاظ یوں ہیں کہ اگر ساتواں روز گزر جائے اور اس کی طرف سے عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو بعض فقہا کا خیال ہے کہ اس کے بعد اس کی طرف

---

(۱) [أبو داود (۲۷۳۷) ابن ماجة (۳۱٦٥) ترمذی (۱٥۲۲)]

(۲) [ترمذی (بعد الحدیث ۱٥۲۲)]

(۳) [المغنی (۳۹٦/۱۳)]

(٤) [صحیح الجامع الصغیر (٤۱۳۲)]

(٥) [فتاوی إسلامیة (۳۲٥/۲)]



سے عقیقہ کرنا مسنون نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے ساتواں روز ہی اس کا وقت مقرر کیا ہے۔ تاہم حنابلہ اور فقہا کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس کی طرف سے بھی عقیقہ کرنا مسنون ہے خواہ ایک ماہ کے بعد کیا جائے یا سال کے بعد یا اس سے بھی زیادہ مدت کے بعد۔ (۱)

کیا انسان خود اپنا عقیقہ کر سکتا ہے؟

اگر کسی کے والدین عقیقہ کے مسائل سے لاعلمی و جہالت یا غربت و افلاس یا کسی اور وجہ سے اس کا اپنی زندگی میں عقیقہ نہ کر سکے ہوں تو وہ خود بھی اپنا عقیقہ کر سکتا ہے کیونکہ وہ عقیقہ کے عوض گروی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہر بچہ اپنے عقیقے کے عوض گروی ہے۔'' اس لیے گروی سے آزاد ہونے کے لیے اسے عقیقہ کر لینا چاہیے۔ (واللہ اعلم)

امام عطاءؒ اور امام حسنؒ نے فرمایا ہے کہ انسان اپنی طرف سے بھی عقیقہ کر سکتا ہے کیونکہ یہ اس کی طرف سے مشروع ہے اور اس لیے بھی کہ وہ عقیقہ کے عوض گروی ہے لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اس کے لیے اپنے نفس کو (گروی سے) چھڑانا مشروع قرار دیا جائے۔ البتہ حنابلہ اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امام احمدؒ نے اس مسئلہ کے متعلق یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ (عقیقہ کرنا صرف) والد کی ذمہ داری ہے۔ (۲) امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر عقیقہ بلوغت تک مؤخر ہو جائے تو اُس سے (عقیقہ کا حکم) ساقط ہو جائے گا جو اس بچے کی طرف سے عقیقہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے لیکن اگر وہ خود اپنی طرف سے عقیقہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ (۳)

عقیقہ کے بجائے جانور کی قیمت صدقہ کر دینا:

افضل یہ ہے کہ جانور کی قیمت صدقہ کرنے کی بجائے عقیقہ کیا جائے کیونکہ یہی مسنون ہے اور اسی کی نبی ﷺ نے تلقین فرمائی ہے۔ امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ عقیقہ کی قیمت صدقہ کرنے سے عقیقہ کے جانور کو ذبح کر دینا افضل ہے۔ امام احمدؒ نے اس پر نص بیان کی اور کہا کہ جب کسی کے پاس اس قدر مال نہ ہو کہ جس سے عقیقہ کر سکے تو قرض لے لے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے سنت زندہ کرنے کی وجہ سے پورا پورا بدلہ دے گا۔ امام ابن منذرؒ نے کہا کہ امام احمدؒ نے سچ فرمایا ہے (یقیناً) سنتوں کو زندہ کرنا اور ان کی اتباع کرنا ہی افضل ہے

(۱) [فتاوی إسلامیة (۳۲۶/۲)]

(۲) [المغنی (۳۹۷/۱۳)]

(۳) [نیل الأوطار (۵۰۰/۳)]

اور اس کے متعلق ان روایات میں کہ جنہیں ہم نے روایت کیا ہے اس قدر تاکید وارد ہوئی ہے جو اس کے علاوہ کسی اور مسئلہ میں وارد نہیں ہوئی اور کیونکہ یہ ایسا ذبیحہ ہے کہ جس کا نبی ﷺ نے حکم دیا ہے لہٰذا ولیمہ اور قربانی کی طرح یہی زیادہ اولیٰ ہے۔(۱) حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ نے بھی قیمت صدقہ کرنے کی بجائے عقیقہ میں جانور ذبح کرنا ہی مسنون قرار دیا ہے۔(۲)

ناتمام بچے کی طرف سے عقیقہ کا حکم:

اگرچہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر بچہ روح پھونکے جانے کے بعد پیدا ہو تو اس کا عقیقہ کیا جائے گا لیکن ہمارے علم کے مطابق ناتمام بچے پر چونکہ ساتواں روز نہیں آیا اور عقیقہ کے لیے پیدائش کا ساتواں روز مقرر کیا گیا ہے اس لیے ایسے بچے کا عقیقہ نہیں کیا جائے گا۔ سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ناتمام بچے کی طرف سے عقیقہ نہیں ہے اگرچہ یہ بھی واضح ہو جائے کہ وہ لڑکا ہے یا لڑکی جبکہ وہ روح پھونکے جانے سے پہلے ساقط ہو جائے کیونکہ اسے غلام اور مولود (یعنی بچہ) کے نام سے موسوم نہیں کیا جا سکتا اور عقیقہ کا جانور پیدائش کے ساتویں روز ذبح کیا جاتا ہے۔(۳)

اگر بچہ ساتویں روز سے پہلے فوت ہو جائے:

عقیقہ کا وقت ساتواں دن مقرر کیا گیا ہے اور اس سے پہلے فوت ہونے والے بچے پر چونکہ یہ وقت آیا ہی نہیں اس لیے اس کی طرف سے عقیقہ بے معنی ہے۔ ٹھیک اُسی طرح جیسے زوالِ آفتاب سے پہلے اگر کوئی نماز ظہر کی سنتیں ادا کرتا ہے تو حتمی طور پر ان کی کچھ حیثیت نہیں ہوگی۔ سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر بچہ زندہ پیدا ہوا اور پھر ساتویں روز سے پہلے فوت ہو جائے تو ساتویں روز اس کی طرف سے عقیقہ کرنا مسنون ہے۔(٤) امام شوکانیؒ حدیث کے ان الفاظ ﴿يَوْمَ سَابِعِهِ﴾ کے متعلق رقمطراز ہیں کہ اس میں دلیل ہے کہ عقیقہ کا وقت ولادت کا ساتواں روز ہے اور یہ وقت اس (دن) کے بعد فوت ہو جاتا ہے اور اگر وہ بچہ اس (دن) سے پہلے فوت ہو جائے تو (عقیقہ) ساقط ہو جاتا ہے۔(٥)

---

(۱) [المغنى (۳۹٥/۱۳)]

(۲) [احکام و مسائل (٤٤٨/۱)]

(۳) [فتاوى إسلامية (۳۲٦/۲)]

(٤) [فتاوى إسلامية (۳۲٦/۲)]

(٥) [نيل الأوطار (٤٩٩/۳)]



میت کی طرف سے عقیقہ:

فوت ہونے والا بیٹا ہو (بشرطیکہ اس پر ساتواں روز گزر چکا ہو) یا والد دونوں کی طرف سے عقیقہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہر بچے کو اپنے عقیقہ کے عوض گروی قرار دیا ہے اور گروی کی مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے کسی کے فوت ہونے کے بعد بھی چھڑایا جا سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

شیخ ابن عثیمینؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ میت کی طرف سے عقیقہ مشروع نہیں ......لیکن اس کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کی جا سکتی ہے اور اگر کسی نیک عمل کا ثواب میت کو ہدیہ کر دیا جائے مثلاً اس کی طرف سے کوئی چیز صدقہ کر دی جائے یا مسلمان دو رکعت نماز ادا کرے یا قرآن کا کچھ حصہ تلاوت کرے اور نیت کرے کہ اس کا ثواب میت کو پہنچ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن ان تمام کاموں سے دعا ہی افضل ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اسی کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ (۱)

زندہ والدین کی طرف سے عقیقہ:

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان ''ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہوتا ہے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی طرف سے اگر عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو اولاد بھی ان کی طرف سے عقیقہ کر سکتی ہے کیونکہ گروی کوئی بھی چھڑا سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

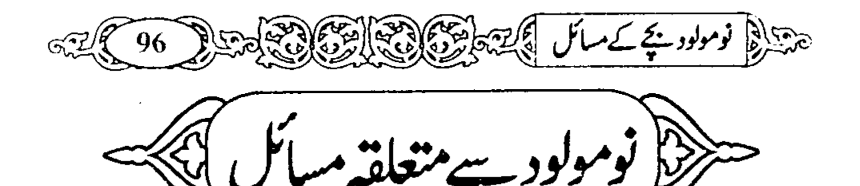
عقیقہ کے جانور کے گوشت اور کھال کا مصرف:

عقیقہ کے جانور کے گوشت اور کھال کے کسی خاص استعمال کے متعلق احادیث میں کہیں ذکر موجود نہیں اس لیے انہیں بھی اسی طرح استعمال کر لینا چاہیے جیسے قربانی کا گوشت اور کھال استعمال کی جاتی ہے۔ دکتور وہبہ زحیلی رقمطراز ہیں کہ عقیقہ کے (جانوروں کے) گوشت اور چمڑے کا حکم قربانیوں کی طرح ہی ہے۔ (یعنی) ان کا گوشت کھایا جا سکتا ہے اور اس سے صدقہ کیا جا سکتا ہے اور اس سے کوئی چیز فروخت نہیں کی جا سکتی۔ (۲)



(۱) [فتاوی إسلامیه (۳۲۵/۲)]

(۲) [الفقه الإسلامی وأدلته (۶۳۹/۳)]



نومولود سے متعلقہ مسائل

بچے کے کان میں اذان اور اقامت کا حکم:

اقامت کہنا تو بالکل ثابت نہیں کیونکہ جس روایت میں اس کا ذکر ہے وہ قابل حجت نہیں جیسا کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو اور وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہے تو اسے اُم صبیان کی بیماری نقصان نہیں پہنچائے گی۔''(۱) اس سلسلے میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی روایت بھی مستند نہیں (۲)۔ علاوہ ازیں اذان کہنے کے متعلق روایت بھی ضعیف ہے اس کی سند میں عاصم بن عبیداللہ راوی کی صحت میں اختلاف ہے۔(۳) تاہم دیگر شواہد کی بنا پر یہ روایت حسن درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو جنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کان میں نماز کے لیے (کہی جانے والی) اذان کی طرح اذان کہی۔(٤) علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ رقمطراز ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی اُس روایت سے کہ جسے امام ابو یعلی موصلیؒ اور امام ابن سنیؒ نے روایت کیا ہے مضبوط و قوی ہو جاتی ہے۔(٥) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر عمل ہے۔(٦) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ نومولود خواہ لڑکا ہو یا لڑکی' اس کے کان میں اذان کہنا سنت ہے اور اذان انہی الفاظ میں کہی جائے جن میں نماز کے لیے کہی جاتی ہے۔(۷) واضح رہے کہ اس اذان کا کوئی وقت مقرر نہیں جب بھی مسلمان اس پر قادر ہو اذان کہہ دے۔(۸)

---

(۱) [موضوع : الضعيفة (٣٢٠/١)' (٣٢١) إرواء الغليل (١١٧٤) شعب الإيمان للبيهقي (٨٦٢٠)] حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔[تلخيص الحبير (١٤٩/٤)]

(۲) [تلخيص الحبير (٢٧٣/٤)]

(۳) [تهذيب التهذيب (٥ى/٤٦) تقريب التهذيب (٣٨٤/١) ميزان الاعتدال (٣٥٣/٢)]

(٤) [حسن : صحيح ترمذى (١٢٢٤) صحيح أبو داود (٤٢٥٨) إرواء الغليل (١١٧٣) ترمذى (١٥١٦) أبو داود (٥١٠٥) أحمد (٩/٦-٣٩١)]

(٥) [تحفة الأحوذى (٩١/١)]

(٦) [جامع ترمذى (١٥١٦)]

(٧) [المجموع (٤٤٢/٨)]

(٨) [أحسن الفتاوى (٢٧٦/٢)] نومولود کے کان میں اذان کے مسئلے کی مزید تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب ''اولاد اور والدین کی کتاب'' ملاحظہ فرمائیے۔]



بچے کا سر منڈانا:

پیدائش کے ساتویں روز بچے کا سر منڈا کر اس کے سر کی پیدائشی آلائش کو صاف کر کے اسے نہلانا چاہیے جیسا کہ ''حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پیدائش کے ساتویں روز بچے کے سر کے بال منڈائے جائیں۔''(۱)

بالوں کے برابر چاندی کا صدقہ:

جب بچے کا سر منڈا دیا جائے تو اس کے سر سے اترنے والے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دینا بھی مشروع ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے بکری کے ساتھ عقیقہ کیا اور فرمایا ''اے فاطمہ! اس کا سر منڈاؤ اور اس کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دو۔''(۲) امام شوکانی ؒ نے فرمایا ہے کہ عقیقہ کی تابع اشیاء میں سے بچے کے سر کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنا بھی ہے۔(۳) امام ابن قدامہ ؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی بچے کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دے تو بہتر ہے۔(٤)

بچے کے بال منڈا کر سر پر خوشبو لگانا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جاہلیت میں لوگ جب بچے کی طرف سے عقیقہ کرتے تو عقیقہ کے خون کے ساتھ روئی کا ایک ٹکڑا رنگ دیتے پھر جب بچے کا سر منڈاتے تو اس ٹکڑے کو بچے کے سر پر رکھ دیتے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿ اجْعَلُوا مَكَانَ الدَّمِ خَلُوقًا ﴾ ''تم خون کی جگہ خلوق (ایک قسم کی خوشبو) رکھا کرو۔''(۵) خلوق کے متعلق امام ابن اثیر ؒ رقمطراز ہیں کہ یہ ایک معروف مرکب خوشبو ہے جسے زعفران اور دیگر خوشبو کی

---

(۱) [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۲۸۳۸) ترمذی (۱۵۲۲) ابن ماجة (۳۱٦۵)]

(۲) [ترمذی (۱۵۱۹)] اسی معنی کی حدیث مسند احمد (۳۹۰/٦) اور السنن الکبری للبیهقی (۳۰٤/۹) میں بھی ہے۔ شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے حسن قرار دیا ہے۔[التعلیق علی السیل الجرار (۲۵۲/۳)]

(۳) [السیل الجرار (۲۵۲/۳)]

(٤) [المغنی (۳۹۷/۱۳)]

(۵) [صحیح : صحیح موارد الظمان (۸۸۳) الصحیحة (٤٦۳) ارواء الغلیل (۳۸۹/٤)]

اقسام سے بنایا جاتا ہے اور اس پر سرخ اور زرد رنگ غالب ہوتا ہے۔ (۱)

بچے کا نام رکھنا:

بچے کا نام پہلے دن بھی رکھا جا سکتا ہے اور ساتویں دن بھی' احادیث میں دونوں طرح کا ذکر ملتا ہے اس لیے ساتویں روز تک سوچ کر بچے کا نام تجویز کر لینا چاہیے جیسا کہ چند احادیث حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اسے حفاظت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ چنانچہ وہ بچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے بچے کے ساتھ کچھ کھجوریں بھی بھیجیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو پکڑا اور پوچھا کہ اس کے ساتھ کوئی چیز بھی ہے؟ لوگوں نے کہا جی ہاں! کھجوریں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور لے کر اسے چبایا اور پھر اسے اپنے منہ سے نکال کر بچے کے منہ میں رکھ دیا اور اس سے بچے کی تحنیک کی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ (۲)

(2) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو میں اسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور کو اپنے دندان مبارک سے نرم کر کے اسے چٹایا اور اس کے لیے برکت کی دعا کی پھر مجھے دے دیا۔ یہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے لڑکے تھے۔ (۳)

(3) حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہوتا ہے' پیدائش کے ساتویں دن...... اس کا نام رکھا جائے۔'' (٤)

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ ساتویں روز نام رکھنا مستحب ہے۔ (٥)

اللہ کے پسندیدہ نام:

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ ''بلاشبہ

---

(۱) [النهاية لابن الأثير (٦٨/٢)]

(۲) [بخاری (٥٤٧٠) مسلم (٢١٤٤) كتاب الأداب]

(۳) [بخاری (٥٤٦٧) مسلم (٢١٤٥)]

(٤) [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (٢٨٣٨) ترمذی (١٥٢٢) ابن ماجة (٣١٦٥)]

(٥) [نيل الأوطار (٥٠٠/٣)]

تمہارے ناموں میں سے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔''(۱)

برے نام:

بعض ناموں سے آپ ﷺ نے خاص طور پر منع فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا ''اپنے بچے کا نام رباح' یسار' افلح اور نافع نہ رکھو۔''(۲) اسی طرح بادشاہوں کا بادشاہ یا بالفاظ دیگر شہنشاہ نام رکھنا بھی جائز نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔(۳) نیز ایسے نام بھی نہیں رکھنے چاہییں جن میں شرک کا شائبہ ہو مثلاً غلام نبی' غلام علی' نبی بخش' حسین بخش یا پیراں دتا وغیرہ۔ ایسا نام اگر کسی نے رکھا ہوا ہو تو اسے تبدیل کر دینا چاہیے۔

برا نام تبدیل کر دینا چاہیے:

جیسا کہ متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جب بھی نبی ﷺ کسی کو برا نام رکھے ہوئے دیکھتے تو اسے تبدیل کر دیتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا کا نام ''برہ'' تھا کہا جانے لگا کہ وہ اپنی پاکی ظاہر کرتی ہیں چنانچہ آپ ﷺ نے ان کا نام زینب رکھ دیا۔(۴) اسی طرح ایک آدمی کا نام حزن (یعنی غم) تھا تو آپ ﷺ نے بدل کر اس کا نام سہل (یعنی آسان) رکھ دیا۔(۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا نام عاصیہ (یعنی نافرمان) تھا تو آپ ﷺ نے اس کا نام جمیلہ (یعنی خوبصورت) رکھ دیا۔(۶) حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالحکم تھی تو آپ ﷺ نے اس کی کنیت بدل کر ابوشریح رکھ دی۔(۷)

انبیاء کے نام پر نام رکھنا:

انبیاء کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھنا جائز ہے۔ نبی ﷺ نے بھی اپنے ایک بیٹے کا نام ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔(۸)

---

(۱) [مسلم (۲۱۳۲) کتاب الأداب]
(۲) [مسلم (۲۱۳۶) کتاب الأداب]
(۳) [مسلم (۲۱٤۳) کتاب الأداب]
(٤) [بخاری (٦۱۹۲) کتاب الأدب : باب تحویل الاسم إلی اسم احسن منه]
(٥) [بخاری (٦۱۹۳) کتاب الأدب : باب تحویل الاسم إلی اسم احسن منه]
(٦) [مسلم (۲۱۳۹) کتاب الأداب : باب استحباب تغییر الاسم القبیح]
(۷) [صحیح : صحیح ابوداود' ابو داود (٤۹٥٥)]
(۸) [بخاری (قبل الحدیث / ٦۱۹٤) کتاب الأدب]

بچوں کے لیے چند عمدہ نام:

انبیائے کرام کے اسمائے مبارکہ

نام	معنی	نام	معنی
آدم	گندم گوں	نوح	آرام، بلند
شیث	کثرت	ادریس	پڑھا ہوا
ھود	توبہ کرنے والا	صالح	نیک
ابراھیم	خادم قوموں کا باپ	لوط	دلی محبت
اسحاق	ہنسنے والا	یعقوب	پیچھے آنے والا
یوسف	حسین۔ پاکباز	خضر	سرسبز
شعیب	حصہ۔ جمع وتفریق	موسیٰ	پانی سے نکالا ہوا
ھارون	سالار۔ قوی	یوشع	چڑھائی وبلندی
الیاس	قائم ودائم	یسع	فراخ
داؤد	عزیز دوست	سلیمان	زینہ۔ سلامتی
ایوب	رجوع کرنے والا	یونس	مانوس
ذوالکفل	ضامن	عزیر	تعاون کرنا
لقمان	دانا	زکریا	بھرنا۔ پرکرنا
یحیٰی	زندہ رہنے والا	عیسیٰ	زندگی والا
محمدﷺ	تعریف کیا ہوا		



حضرت محمد ﷺ کے صفاتی نام

نام	معنی	نام	معنی
احمد	زیادہ تعریف والا	امین	امانت دار
بشیر	بشارت دینے والا	جواد	سخی
حامد	تعریف کرنیوالا	حبیب	محبوب
خلیل	دلی دوست	خطیب	بات کرنے والا
رشید	شریف، ہدایت یافتہ	سراج	چراغ
شفیع	شفاعت کرنے والا	شاھد	گواہ
صادق	سچا	صدیق	سچ بولنے والا
طاھر	پاک	عادل	انصاف کرنے والا
کلیم	کلام کرنے والا	عاقب	آخری
مبشر	خوشخبری دینے والا	قاسم	تقسیم کرنے والا
محمود	تعریف کیا گیا	مجتبیٰ	چنا ہوا
مرتضیٰ	پسندیدہ	مدثر	کپڑا اوڑھنے والا
مصطفیٰ	چنا ہوا	مزمل	کپڑا اوڑھنے والا
مصدق	تصدیق کرنے والا	مصباح	چراغ
منصور	مدد دیا گیا	منیر	روشن
نذیر	ڈرانے ولا	ناصر	مدد کرنے والا

ازواج مطہرات کے اسمائے مطہرہ

خدیجہ	ناتمام	عائشہ	زندگی والی
حفصہ	شیرنی	زینب	ایک خوشبودار، خوبصورت درخت
جویریہ	عہدو پیان (لڑکی)	رملہ (ام حبیبہ)	ریت کا ٹیلہ
سودہ	مشک، نشان	صفیہ	منتخب
میمونہ	بابرکت	ھند (ام سلمہ)	جماعت، سونتا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اولاد و احفاد کے نام

ابراھیم	خادم، قوموں کا باپ	عبداللہ	اللہ کا بندہ
قاسم	تقسیم کرنے والا	حسن	اچھا، خوبصورت
حسین	خوبصورت	زینب	خوشبودار حسین درخت
رقیہ	ترقی	ام کلثوم	پرکشش
فاطمہ	دودھ چھڑانے والی	امامہ	مقصد، مراد

مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام

ابان	واضح، ظاہر	ابوذر	پھیلانا۔ بکھیرنا
ابوھریرہ	بلی کے بچے والا	احمد	لازم، ٹھہرنا
اربد	اقامت، ابرآلود	ارقم	تحریر۔ نشان والا
احوص	محتاط	اسامہ	شیر، بلند
اشعث	بکھرا ہوا	اسعد	سعادت مند
اسمر	کہانی گو	اسید	چھوٹا شیر

اسیم	بلند	اقمر	زیادہ روشن
اقرع	کھٹکھٹانے والا۔ بہادر	انیف	اچھوتا
انیس	پیارا	اویس	بھیڑیا
براء	بری	تمیم	کامل
ثعلبہ	لومڑی	ثمامہ	اصلاح
جابر	غالب، پر کرنے والا	جبیر	پر کرنے والا، غالب
جریر	کھینچنے والا	جلیب	ہانکنے والا
جنید	چھوٹا لشکر	حارثہ	محنتی۔ کمانے والی
جندب	پروانہ	حارث	محنتی، کمانے والا
حذیفہ	آسانی وآرام	حذافہ	سہولت
حسان	خوبصورت	حازم	محتاط
حسیل	تیز رفتار	حصیب	کنکریاں مارنے والا
حضیر	شہری	حاطب	ایندھن جمع کرنے والا
حکیم	حکمت والا	حماد	تعریف کرنے والا
حماس	محافظ۔ بہادر	حمزہ	شیر
حمید	تعریف والا	خالد (بن ولید)	ہمیشہ
خباب	بلند۔ تیز رفتار	خبیب	بلند، اونچا
خذیمہ	ترتیب دینا	خلاد	سدا
خلید	ہمیشہ	خنیس	چھپنے والا
ابودجانہ	بارش	دحیہ	سربراہ فوج
درید	اختتام پرایک جانور	رافع	اٹھانے والا
ربعی	باغ ڈالا۔ بہار والا	رزین	اصلی اقامت، رہائش

رسیم	نقش وتحریر کرنے والا	رشید	ہدایت یافتہ۔بھلامانس
رقیم	تحریر۔کتاب	رومان	وسط
راھر	چمکیلا	رویفع	بلند۔اونچا
زبیر	شیر،محرر	زرعہ	کھیتی۔بونا
زوئیب	چلنا۔نکلنا	سحبان	کھینچنے والا
سحیم	برسنے والا	سدلیس	چھٹا،لڑکپن
سراقہ	چھپی چیز	سلکان	مرتب
سلمان	سلامت	سلیم	محفوظ
سلیط	اچھی نسل	سلیک	راہ گیر
سماک	مچھلی فروش	سنان	نیزے کا بھالا
سہیل	آسانی وسہولت والا	سیرین	قائدوراہنما
شبرمہ	عطیہ،شیر کا بچہ	شریح	وضاحت کرنے والا
شرید	الگ تھلگ	سمساس	چمکیلا۔خادم
صبیح	روشن	صفوان	چٹان
صہیب	سرخ پٹی مائل	ضحاک	ہنسنے والا
ضرار	صابر،دشمن کے لیے مضر	ضماد	معالج
ضمام	ملنا	ضمیر	پوشیدہ
طفیل	پیارا بچہ،ذریعہ	ظہیر	غالب،مددگار
عازب	الگ	عاصم	بچانے والا
عاقب	آخری	عاقل	عقل والا
عائذ	پناہ لینے والا	عامر	آباد کرنے والا
عباد	عبادت گزار	عبدالرحمٰن	رحمٰن کا بندہ

عبیداللہ	اللہ کا عاجز بندہ	عتبان	ڈانٹنا
عداس	نگران	عدی	بڑھنا
عرباض	مضبوط	عروہ	کڑا
عصیم	محفوظ	عکرمہ	کبوتر
عمرو	آبادی	عمیر	آباد کرنے والا
عمیس	طاقت ور	عویم	سال
عیاض	خلیفہ	غالب	طاقتور، غالب
فراس	فراست والا	فرزدق	پنیر۔روٹی
فضیل	فضل والا	فہد	چیتا
قتادہ	پالان/ایک درخت	قدامہ	پیشوا
قعقاع	اسلحہ کی جھنکار	قیس	اندازہ
کرز	ذہین/شریف	کریب	مشکل
کعب	اونچائی	لبید	کثیر
لیث	شیر	مثنی	ملا ہوا
محسن	پاکباز	محمود	تعریف کیا گیا
مرثد	معزز/ترتیب شدہ	مرداس	پتھر
مسطح	فصیح، سطح	مسعود	سعادت مند
مصعب	دشوار	معاذ	پناہ یافتہ
معاویہ	چلانے والا	معتب	ڈانٹنے والا
مغیرہ	لوٹنے والی۔حملہ آور	مقداد	توڑنے کا آلہ
ملیل	اکتایا ہوا	منکدر	تیز رفتار
مہران	خوبصورت	نابغہ	فصیح وبلیغ

نعمان	سرخ پھول	نعیم	نعمت والا
نواس	پرسکون مقام	واقد	روشن کرنے والا
وسیم	چاندی	وقاص	توڑنے والا
ولید	بچہ	ہیثم	شیر
یامین	برکت وقوت	یزید	اضافہ

مشہور صحابیات رضی اللہ عنہن کے نام

اسماء	بلند، علامت	اثیلہ	اعلیٰ خاندان والی
اکیمہ	اونچی	امنہ	امن والی
امیمہ	قصد وارادہ	انکشہ	تلاش/حاصل کرنا
انیسہ	پیاری	بدیلہ	عوض/بدلہ
بریدہ	ٹھنڈی	بریعہ	چمکیلی
بسیسہ	مٹھائی	تماضر	موٹی تازی
ثوبیہ	جزا	جعونہ	مجموعہ
جلیحہ	صاف/خالی	حبیبہ	پیاری
حسانہ	خوبصورت	حلیمہ	بردبار
حمنہ	سرخ انگور	حمیدہ	تعریف والی
حمیمہ	گہری دوست	حولاء	تبدیلی
خالدہ	ہمیشہ	خلیدہ	سدا
خلیسہ	بہادر	خنساء	چھپنا۔ ہٹنا
خولہ	خادمہ	خیثمہ	توڑنا۔ سخت
خیرہ	پسندیدہ	دجانہ	بارش

رائعہ	عمدہ	رباب	ساز
ربیعہ	بہار	رجیلہ	مضبوط
رکانہ	مضبوط	رحیلہ	مسافرہ
رفیدہ	عطیہ	رقیقہ	برم دل
ریطہ	کمبل/ربن	زرینہ	سونے کی چیز
زنیرہ	مالا	سانیہ	چمکیلی
ساعدہ	معاون	ساریہ	جاری
سبیعہ	ساتویں	سدرہ	بیری کا درخت
سدلیہ	جھکی ہوئی	سعدیٰ	خوشبودار پودا
سعیدہ	نیک بخت	سکینہ	سکون والی
سلامہ	سلامت	سمرہ	گندم گوں
سمیکہ	چھوٹی مچھلی	سمیہ	بلند/ہم نام
سنا	چمک	سھلہ	سہولت وآسانی
سھیمہ	حصہ دار	شفا	کنارہ۔صحت
شقیقہ	شریک۔سگی بہن	شمیلہ	اچھی عادات والی
شیماء	خوشبو/خصلت	صخرہ	چٹان
صماء	بند/مضبوط	ضباعہ	تیز رفتار
ضمرہ	ماہر۔پوشیدہ	طاھرہ	پاک صاف
عالیہ	اونچی	عجلہ	جلدی/بچھڑا
(ام) عطیہ	تحفہ	عفراء	سفید زمین
عفیرہ	صاف/خالی	عقیلہ	عقل والی
عمیرہ	آباد	عمارہ	آبادی

عنقودہ	گچھا انگورہ	عیینہ	چشمہ/سونے کا ٹکڑا
غزیلہ	ہرن/کثرت	فروہ	جلد
فریعہ	شاخ	فضالہ	بقیہ/فضیلت والی
فضہ	چاندی	فکیہہ	خوش طبع
کبشہ	سردار	کعیبہ	اونچی
قبیصہ	ڈھیر/کنکریاں	لبابہ	دانا
لبیبہ	عقل مند	لبنیٰ	دودھ
لبنیہ	دودھ کی طرح	لمیس	نرم ونازک
لیلیٰ	تاریک رات	مرجانہ	قیمتی پتھر
مرضیہ	پسندیدہ	مطیعہ	اطاعت گزار
منیحہ	تحفہ	نائلہ	مقصد حاصل کرنے والی
نبیثہ	نشیب و گہری	نسیبہ	نسب والی
نفیسہ	صاف ستھری	نویلہ	عطیہ
نھدیہ	نمایاں	واثلہ	مضبوط رسی
وبرہ	بلی نما جانور/راون	ورقہ	پتا

بچوں کی کنیت رکھنا:

کم سن و نابالغ بچوں کی کنیت رکھنا جائز ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میرا ایک بھائی ابو عمیر نامی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لاتے تو اس سے مزاحاً فرماتے ﴿يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ﴾ ”اے ابو عمیر! تیرے نغیر (ایک پرندے کا نام) کا کیا بنا؟“۔(۱)

لڑکی کی کنیت رکھنا:

اسلام میں لڑکی کی کنیت کا بھی تصور موجود ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے

(۱) [بخاری (۶۲۰۳) کتاب الأدب : باب الكنية للصبي وقبل أن يولد للرجل]

جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! میری تمام سہیلیوں کی کنیتیں ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم بھی اپنے بیٹے یعنی اپنی بہن (اسماء بنت ابی بکر) کے بیٹے کے نام پر اپنی کنیت رکھ لو۔'' راوی نے بیان کیا کہ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی کنیت اُم عبداللہ رکھ لی۔

نومولود کو گڑھتی دینا:

لغوی اعتبار سے تحنیک کا معنی ''کسی چیز کو چبا کر نرم بنانا ہے۔''(۱) اور اصطلاحی اعتبار سے تحنیک کی تعریف کرتے ہوئے امام شوکانیؒ رقمطراز ہیں کہ ''تحنیک یہ ہے کہ تحنیک کرنے والا شخص کھجور یا اس طرح کی کوئی چیز چبائے حتی کہ وہ مائع بن جائے جسے نگلا جا سکے۔ پھر وہ بچے کا منہ کھول کر اسے اس میں رکھ دے تا کہ اس کا کچھ حصہ بچے کے پیٹ میں داخل ہو جائے۔''(۲) یہ عمل مسنون و مستحب ہے جیسا کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو میں اسے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کو اپنے دندان مبارک سے نرم کر کے اسے چٹایا۔(۳) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تو میں انہیں لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور طلب فرمائی اور اسے چبایا اور بچہ کے منہ میں اپنا لعاب ڈال دیا۔(٤) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ علماء نے اتفاق کیا ہے کہ بچے کو اس کی ولادت کے وقت کھجور کے ساتھ تحنیک کرنا مستحب ہے لیکن اگر کھجور نہ ملے تو جو بھی اس معنی میں یا مٹھاس میں اس کے قریب ہو (اسی سے گڑھتی دے دی جائے)۔(٥)

نومولود کو تحفہ دینا:

شیخ ابن عثیمینؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ دراصل نومولود بچے کو اس کی پیدائش کے وقت ہدیہ دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ہدیہ میں اور تمام معاملات میں اصل جواز و صحت ہے الا کہ اس کی حرمت پر

---

(۱) [مصباح اللغات (ص/۱۸۰)]

(۲) [نيل الأوطار (٥٠٦/٣)]

(۳) [بخاری (٥٤٦٧) كتاب العقيقة]

(٤) [بخاری (٥٤٦٩) كتاب العقيقه]

(٥) [المجموع (٢٤٢/٨)]

کوئی دلیل قائم ہو جائے اور جب یہ عادت جاری ہو جائے کہ لوگوں کے ہاں جب کوئی بچہ پیدا ہو تو اس کے قریبی رشتہ دار مال سے کوئی چیز اس کی طرف ہدیہ بھیجیں تو اس میں کوئی حرج نہیں انسان عادت اور عرف کی پیروی کرتے ہوئے ایسا کرے نہ کہ اللہ کی عبادت سمجھتے ہوئے۔(۱)

ختنہ کرانا:

ختنہ کرانا انسانی فطرت کا حصہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں فرمانِ نبوی ہے کہ ''فطرت میں پانچ چیزیں شامل ہیں؛ ختنہ کرانا' زیر ناف مونڈنا' مونچھیں کاٹنا' ناخن کاٹنا اور بغلوں کے بال اُکھیڑنا۔''(۲) ختنہ کرانا انبیاء کی بھی سنت ہے بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ختنہ کا ذکر صحیح احادیث میں موجود ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ''حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ختنہ ہوا اور اس وقت ان کی عمر اسی (80) سال تھی۔''(۳) یہی وجہ ہے کہ عرب میں ختنہ کا عام رواج تھا جیسا کہ حدیثِ ہرقل میں ہے کہ ''ہرقل کے پاس ایک آدمی لایا گیا جسے شاہِ غسان نے بھیجا تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کیے جب ہرقل نے (سارے حالات) سن لیے تو کہا کہ جا کر دیکھو وہ ختنہ کیے ہوئے ہے یا نہیں؟ انہوں نے اسے دیکھا تو بتلایا کہ وہ ختنہ کیے ہوئے ہے۔ ہرقل نے جب اس شخص سے عرب کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتلایا کہ وہ ختنہ کرتے ہیں۔''(٤)

یہ عرب کا رواج تھا بعد ازاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو برقرار رکھا اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ختنے کرایا کرتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو آپ کس کی مثل تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس وقت ختنہ کرا چکا تھا' مزید فرماتے ہیں کہ اور وہ لوگ بالغ ہونے سے پہلے مرد کا ختنہ نہیں کرتے تھے۔(٥) علاوہ ازیں ایک حدیث میں ختنہ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی موجود ہے جیسا کہ سنن ابی داود میں ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور مسلمان ہو گیا...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا ''اپنے آپ سے کفر

(۱) [فتاوی إسلامية (۳۲۸/۲)]

(۲) [بخاری (۵۸۹۱) کتاب اللباس]

(۳) [بخاری (۳۳۵٦) کتاب أحادیث الأنبياء' مسلم (۲۳۷۰) احمد (۳۲۲/۲)]

(٤) [بخاری (۷) کتاب بدء الوحی]

(٥) [بخاری (٦۲۹۹) کتاب الاستئذان]

کے بال (یعنی کافروں جیسی ہیئت کے بال) منڈا دو اور ختنہ کرا لو۔"(۱) اسی حکم کے پیش نظر امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ ملتِ اسلامیہ میں ختنہ کرانے کی مشروعیت کا ثبوت دن کے آفتاب سے بھی زیادہ واضح ہے......اور اس کے وجوب کا قول ہی برحق ہے۔(۲) لہٰذا والدین کو چاہیے کہ خود ساختہ رسم ورواج سے اجتناب کریں اور اپنے بچوں کے بروقت ختنے کرائیں۔

ختنہ کرانے کا وقت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے عقیقہ اور ان دونوں کا ختنہ ساتویں روز کیا۔(۳)

کیا لڑکیوں کا بھی ختنہ کرایا جائے گا؟

عرب میں لڑکیوں کے ختنہ کا بھی رواج تھا پھر یہ رواج عہد رسالت میں بھی رہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں بھی تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ ایک روایت سے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کی اجازت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت اُم عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک عورت ختنہ کیا کرتی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا (لڑکیوں کا ختنہ کرتے وقت) مبالغہ نہ کرو کیونکہ یہ عورت کے لیے زیادہ لذت کا باعث اور شوہر کی طرف زیادہ پسندیدگی کا ذریعہ ہے۔(۴)

حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ سے کسی نے دریافت کیا کہ عرب اور افریقہ میں عورتوں کا ختنہ کیا جاتا ہے کیا اسلام میں اس کا کوئی تصور ہے؟ تو حافظ صاحب نے جواب دیا کہ صاحب عون المعبود [۵۴۳/۴] نے عورت کے ختنہ پر احادیث کو جمع کیا ہے آخر میں لکھا ہے:

''عورت کے ختنہ کی حدیث کئی سندوں سے مروی ہے جو سب ضعیف معلول اور مخدوش ہیں' ان سے حجت پکڑنا صحیح نہیں' جس طرح آپ [illegible] گئے اور ابن منذرؒ نے کہا ختان میں کوئی حدیث نہیں جس کی طرف رجوع کیا جا[illegible] نہ کوئی سنت ہے جس کی پیروی

---

(۱) [حسن: صحیح ابو داود' ابو داود (۳۵٦)]

(۲) [السیل الجرار (۲۰۲/۳)]

(۳) [بیهقی (۳۲٤/۷) مجمع البحرین (۱۹۰۲) طبرانی (۸۹۲) یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔]

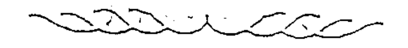
(٤) [صحیح: الصحیحة (۷۲۱) ابو داود (۵۲۷۱)]



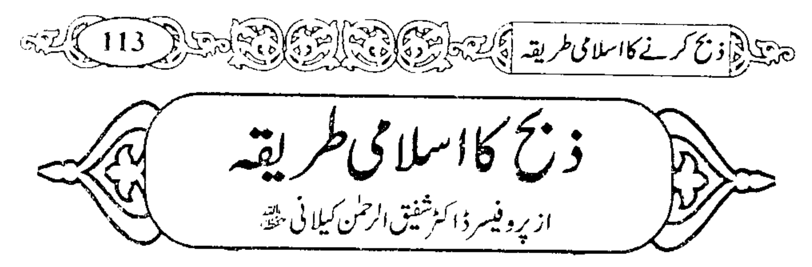
کی جائے اور ابن عبدالبرؒ نے تمہید میں کہا وہ چیز جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے یہ ہے کہ ختنہ مردوں کے لیے ہے۔'' (واللہ اعلم)

روایت ﴿ اَلْخِتَانُ سُنَّةٌ لِلرِّجَالِ، وَمَكْرُمَةٌ لِلنِّسَاءِ ﴾ ''ختنہ سنت ہے واسطے مردوں کے اور کریمانہ فعل ہے واسطے عورتوں کے'' کی بعض اسانید کو امام سیوطیؒ نے حسن قرار دیا ہے مگر اکثر اہل علم اس کو ضعیف ہی قرار دیتے ہیں حتی کہ محدث وقت شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف جامع صغیر اور سلسلہ ضعیفہ ہی میں ذکر فرمایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ختان کو خصالِ فطرت میں ذکر فرمایا ہے وہاں مرد کی تخصیص نہیں فرمائی صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قتل حمزہ [۵۸۳/۲] میں ہے کہ غزوہ احد میں جب قتال کے لیے لوگ صف بستہ ہو گئے تو سباع نامی کافر نے نکل کر للکارا'' کیا کوئی ہے جو مجھ سے لڑے؟'' یہ سنتے ہی حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کے لیے نکلے اور کہنے لگے ارے سباع! ارے ام نمار (حجامتی) کے بیٹے! تیری ماں تو عورتوں کے ٹنے تراشا کرتی تھی کم بخت نائن تھی اور تو اللہ و رسول سے مقابلہ کرتا ہے یہ کہہ کر حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کیا اور جیسے کل کا دن گزر جاتا ہے اس طرح صفحۂ ہستی سے اس کو نابود کر دیا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نزولِ شریعت کے زمانہ میں عربوں میں عورت کا ختنہ کیا جاتا تھا مگر کتاب و سنت میں کہیں اس کی تردید وارد نہیں ہوئی تو پتہ چلا کہ اسلام میں بھی عورت کے ختنہ کا تصور ہے۔[1] واضح رہے کہ لڑکی کا ختنہ اس طرح کیا جاتا تھا کہ اس کی شرمگاہ کے اوپر سے چمڑے کا کچھ حصہ کاٹ دیا جاتا تھا۔[2]



(۱) [احکام و مسائل (۴۹۹/۱)]
(۲) [عون المعبود (۱۲۳/۱٤)]



ذبح کا اسلامی طریقہ

از پروفیسر ڈاکٹر شفیق الرحمٰن کیلانی ﷾

آج عید الاضحیٰ ہے۔10 ذی الحجہ کا دن اور صبح کوئی 8 بجے کا وقت ہے۔جگہ جگہ جانور ذبح ہورہے ہیں۔سامنے بہت سے لوگ ایک، بہت بڑے دائرے کی صورت میں جمع ہیں۔آئیں، ہم بھی چلتے ہیں۔ایک گائے کو ایک دو آدمیوں نے رسّوں کے ذریعے جکڑ کر، لٹا کر قابو کر رکھا ہے۔ قصاب نے اپنا بایاں پاؤں گائے کی گردن پر رکھا ہے، اب وہ گائے کے سر پر کھڑا، ہوا میں چھری کو ایک دوسری چھری سے باہم رگڑ کر تیز کر رہا ہے اور بعد میں اسے ہوا میں لہرا رہا ہے۔ لیجئے! اس نے آناً فاناً شہ رگ کاٹی، ساتھ ہی اس کی گردن کو پیچھے کی طرف موڑ مروڑ کر جھٹکا دے کر اس کا منکا توڑا۔اس چھری کی نوک سے اس کی بقایا سامنے موجود نسیں (Ligaments) کاٹیں اور ساتھ ہی سامنے نظر آنے والے حرام مغز کی بتی (Spinal Cord) کو بھی مکمل طور پر کاٹ دیا۔دماغ اور جسم کا جو رابطہ، ناطہ حرام مغز کی بتی کے ذریعہ بحال تھا، جس کے ذریعے سے جسم کے دور دراز حصوں (کھر، دُم اور سر وغیرہ) سے خون کی نجاست نے دم سے نکل کر اسے اپنی آلودگیوں سے پاک کرنا تھا۔وہ خون ابھی شہ رگ کے قریب قریب سے معمولی سا (کم و بیش نصف مقدار میں) خارج ہوا ہی تھا کہ بتی کاٹنے کے اس عمل کے ساتھ ہی گائے کے پورے بدن کو ایک جھٹکا سا لگا اور وہیں گائے ساکت ہوگئی۔خون بھی زیادہ تر اندر ہی رہ گیا اور قصاب نے پچھلی کونچوں سے کھال کاٹ کر اُدھیڑنا شروع کر دی۔

① اُسوۂ حسنہ:

آیئے! دیکھیں اس سلسلے میں ہمیں پیارے نبی ﷺ سے کیا رہنمائی ملتی ہے؟

1- دعائیں، نیت اور تکبیر پڑھنا:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قربانی کے دن یعنی عید الاضحیٰ کو دو سینگوں والے مینڈھے ذبح کیے جن میں سفیدی غالب تھی اور وہ خصی تھے۔جب آپ ﷺ نے انہیں قبلہ رخ کیا تو یہ دعا پڑھی ''میں اپنا چہرہ اس اللہ ربّ العزت کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا، میں ملتِ ابراہیمی پر قائم ہوں اور مشرکین سے نہیں ہوں۔میری نماز، قربانی، جینا، مرنا سب اللہ ربّ العالمین کے لئے ہے،

اس کا کوئی شریک نہیں، میں اسی کا حکم دیا گیا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں، اللہ تعالیٰ! تیرے نام سے، تیرے لیے محمد (ﷺ) کی اور ان کی امت کی طرف سے...... اللہ کے مبارک نام کے ساتھ اور اللہ بہت بڑا ہے۔'' پھر آپ نے ذبح کیا۔ (۱)

2- (الف) احسان کے ساتھ راحت پہنچاتے ہوئے ذبح کرنا:

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کا رویہ اختیار کرنا فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ جب تمہیں کسی کو (قصاص یا میدانِ جنگ وغیرہ میں بھی) قتل کرنا ہو تو اسے بھی اچھی طرح سے (جلد از جلد) انجام دو اور اگر (جانور) ذبح کرنے لگو تو بھی اچھے انداز میں (چابک دستی سے) کرو اور چھری کو اچھی طرح تیز کر لو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔ (۲) ''اچھی طرح سے اور اچھے انداز میں'' کا مطلب جلد از جلد اور چابک دستی سے ہی ہے جیسا کہ ذیل کی حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے:

(ب) چھریوں کو جانوروں سے چھپاؤ:

نبی کریم ﷺ نے چھریوں کو تیز کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ اسے جانوروں سے چھپایا جائے اور کہا کہ ''جب تم کسی جانور کو ذبح کرو تو (چھری پھیرنے میں) جلدی کرو۔'' (۳)
نبی ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بکری کے سامنے چھری تیز کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم تو اسے جیتے جی ہی مار رہے ہو۔

(ج) کھال اتارنے میں جلد بازی نہ کریں:

جانور کو ذبح ہو جانے، حتی الوسع تمام خون نکل جانے، طبعاً ٹھنڈا ہو کر بے حس و حرکت اور ساکت ہو جانے تک اس کی کھال اُتارنے میں جلد بازی نہ کی جائے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جانور کی روح نکالنے میں جلدی نہ کرو حتیٰ کہ خود نکل جائے۔ (۴) ان تعلیمات نبوی کا تقاضا یہ ہے کہ جانور کو پہلے کھلا پلا کر، خوش کر کے، آرام و اطمینان سے اسے کسی بھی طرح سے دہشت زدہ، خوفزدہ کئے بغیر نرم

---

(۱) [سنن ابوداود، کتاب الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا]
(۲) [مسلم، نسائی، احمد، ابن ماجه، عن ابی یعلی، شداد بن اوس]
(۳) [احمد، ابن ماجه، کتاب الذبائح، باب إذاذبحتم فأحسنوا الذبح]
(۴) [سنن دارقطنی وإرواء الغلیل (۲۵۴۲)]

زمین پر لٹایا جائے۔ چھری کو کسی اُوٹ مثلاً دیوار یا کسی پردہ سے یک دم نکالا جائے اس سے پہلے جانور کی آنکھوں پر ترجیحاً کپڑا ڈال لیں۔

3- تقرب إلى الله:

کیونکہ اگر دونوں بڑے کام کر لیے جائیں لیکن اسے کسی آستانے پر ذبح کیا جائے اور نیت ذبح لغیر اللہ کی ہو تو صرف اسی وجہ سے وہ حرام ہو جائے گا۔ جیسے قرآن کریم میں ہے" تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا اور جس پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو اور جو اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو اور جو کسی کے سینگ مارنے سے مرا ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن تم اسے، ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا اور یہ بھی کہ قرعہ کے تیروں کے ذریعے فال گیری کرو، یہ سب بدترین گناہ ہیں۔" [المائدة : ۳]

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ذَكَّيْتُمْ ارشاد فرما کر اسے شرعی ذبح اور کھانے کے لئے حلال قرار دیا جبکہ بعد ازاں ذُبِحَ کا لفظ ارشاد فرما کر آگے مذکور شرکیہ عمل کی نجاست کی وجہ سے جانور ہی کو حرام قرار دے دیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ محض ذبح کر دینا حتی کہ تکبیر بھی پڑھ دینا، اسے شرعی معنوں میں حلال نہیں کر دیتا جب تک کہ اس کا مقصود تقرب الی اللہ اور رضوان من اللہ حاصل کرنا نہ ہو۔

۲ جدید طبی تحقیقات رشرعی بصائر:

1- شرعی ذبح کا سائنسی جائزہ......اچانک زخم:

جب بھی کوئی بھرپور جوانی والا (مُسِنَّة : دوندا) حلال جانور اس کیفیت کے ساتھ اچانک ذبح کیا جاتا ہے کہ اسے اس سے پہلے، دوران یا بعد میں خوفزدہ نہ کیا گیا ہو، خصوصاً ذبح کے بعد حرام مغز کی بتی نہ کاٹی گئی ہو۔

(الف) اس کا خون زیادہ آسانی اور تیزی سے بکثرت نکلتا ہے اور اکثر تقریباً سارا نکل آتا ہے اور دل کی دھڑکن کافی دیر تک تیز رہتی ہے۔

(ب) زخم لگتے ہی، خصوصاً خون کی مقدار جسم میں کم ہوتے ہی دل و دماغ کے باہمی ہنگامی رابطے ہوتے ہیں، دل دماغ کو حکم دیتا ہے کہ (حکماء کی زبان میں) "اب 'قوتِ مدبرہ' کو جگاؤ، تمام اعصاب کو ہنگامی حالات کی خبر دے کر جان بچانے کے لئے جو ہو سکتا ہے کرو"۔ دماغ جواباً ایک طرف دل کے

لئے تیز تیز دھڑکنا تجویز کرتا ہے تا کہ خون کو کم مقدار کے باوجود اسے جلدی جلدی پمپ کر کے جسم کے تمام حصوں تک پہنچا کر اس کے ذریعے آکسیجن (حیاتی گیس Life Gas) دل و دماغ کو پہنچائی جا سکے۔ دوسری طرف خودکار اعصابی نظام (Autonomous Nervous System) کو حکم ملتا ہے کہ وہ یہ خون جسم کے ہر ہر حصے تک جلدی جلدی پہنچانے اور گندا خون واپس لانے کے لئے متحرک و مستعد ہو جائے۔ اس سے بدن میں خون کی مقدار کم ہو جانے کے باوجود دھڑکن، نبض چلتی رہتی ہے، دورانِ خون تیز ہو جانے کی وجہ سے بلڈ پریشر کافی دیر تک اور کافی حد تک قائم رہتا ہے اور یک دم ختم نہیں ہو جاتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حتی الوسع تمام خون بدن کے کونے کونے سے نکل جانے تک دماغ اور خودکار اعصابی نظام کام کرتا رہتا ہے (چنانچہ اُڑتے ہوئے پرندے کو اگر گولی سے شکار کیا جائے اور پھر وہ زخمی اور زندہ حالت میں مل جائے تو تب بھی اسے ذبح کر دینا بہتر ہے تا کہ خون اچھی طرح نکل جائے)۔

یہ رحم دلانہ، آسان ترین اور بہترین طریقۂ موت ہے جو شرعی ذبیحہ والے جانور کو اسلام کی طرف سے رحمت للعالمین ﷺ کے بتائے ہوئے اسوۂ حسنہ کے مطابق تجویز ہوا ہے۔ اسی طریقہ میں موت کی تکلیف بھی سب سے کم ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ تقریباً اسی کیفیت سے جان آفرین کے سپرد کرنے (شہادت) پر شہید اللہ کی طرف سے بار بار "کچھ مانگو" کی پیشکش رحم پر یہ جواب دیتا ہے کہ "مجھے دوبارہ شہادت کی موت عطا فرما" اور آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ "واللہ! میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں شہید ہوں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں۔"(۱)

2- خون...... مادّی (طبی) و شرعی حقائق:

(الف) مینڈھے، بھیڑ میں کل خون اس کے زندہ وزن کا اوسطاً تقریباً بارہواں حصہ (8.01 %) ہوتا ہے اور بیل میں اوسطاً تقریباً تیرھواں حصہ (7.71 %) ہوتا ہے۔ (Blacks Veterinary Dictionary p.92) مثلاً اگر کسی مینڈھے، بھیڑ کا زندہ وزن 60 کلو ہے تو اس کے اندر تقریباً 5 کلو تک خون ہوگا اور 325 کلو وزنی گائے میں 25 کلو تک خون ہوگا، وعلیٰ ہذا القیاس...... انسانی معدہ خون ہضم نہیں کر سکتا کیونکہ انسانی معدہ میں خون کی لحمیات (ہیموگلوبن وغیرہ) کو ہضم کرنے والے خامرے (Enzymes) نہیں پائے جاتے بلکہ خون پینے کی کوشش پر قولنج تک ہو سکتا ہے۔

---

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الایمان]

(ب) خون جراثیم کی بڑھوتری کا بہترین ذریعہ (Growth & Culture Medium) ہے۔ لیبارٹریوں میں جب کسی مریض کی پیپ ٹسٹ کرتے ہیں تو اسے خون سے تیار کردہ ایک مرکب میں ڈال دیتے ہیں۔ پیپ کے جراثیم ایک ہی دن میں کروڑوں کی تعداد میں بڑھ جاتے ہیں۔ جب ان کی تعداد بہت ہی زیادہ ہو جاتی ہے تو ان کی نہ صرف شناخت آسان ہو جاتی ہے بلکہ ان پر مختلف دوائیاں (Antibiotics) ڈال کر دیکھا بھی جا سکتا ہے کہ وہ کس دوائی سے مرتے ہیں۔ اس طرح بیماری کے باعث کا پتہ لگنے کے ساتھ ساتھ (بلکہ اس سے پہلے ہی) علاج بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ اس عمل میں پتے کی بات یہ ہے کہ جراثیم خون پر ہی پھلتے پھولتے ہیں۔ اس لئے خون کا استعمال متعدد خطرات کا باعث ہو سکتا ہے۔ (۱)

غالباً اسی لئے انسان کے لئے خون حرام ہے۔ قرآنِ کریم میں اس کی حرمت کے بارے میں کم از کم چار دفعہ ذکر ہوا ہے۔ ہر جگہ پہلے مردار بعد میں خون۔ مردار بھی غالباً اسی لئے حرام ٹھہرایا گیا ہے کہ اس کے اندر عموماً سارا خون رہ جاتا ہے۔ صاحبِ تیسیر القرآن مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں "خون چونکہ حرام ہے، اس لئے موت کی ہر وہ صورت جس میں خون جسم سے نکل نہ سکے، وہ بدرجہ اولیٰ حرام ہوئی۔" [سورة المائدة : ۳، حاشیہ ۱۳] اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مردار اور جھٹکا اگر مکمل حرام ہے تو آدھا یا کم و بیش خون نکلنے دینا اور باقی اندر رہنے دینا نیم حرام ہونے کے زمرے میں آتا ہے۔ قرآنی لفظ ﴿ ذَكَّيتم ﴾ "جسے تم مرنے سے پہلے ذبح کر لو" میں ایک دلچسپ لغوی نکتہ ہے کہ ﴿ ذَكَّيتم ﴾ ذال سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جانور کو اس طریقے سے ذبح کرنا کہ اس کی جان جلد از جلد اور بسہولت نکل جائے۔ اس میں جانور کی سہولت کا خیال رکھنا۔ (۲)

دوبارہ واضح رہے کہ اس میں جلد از جلد کا تعلق چھری کی تیزی اور استعمال میں چابک دستی سے ہے۔ جیسا کہ پیچھے حدیث ﴿ لا تعجلوا الأنفس أن تزهق ﴾ کی تشریح میں واضح کیا گیا ہے۔ نہ کہ منکا توڑ کر تکلیف در تکلیف اور نیم جھٹکا کرنے سے۔ جیسا کہ آگے بھی تفصیل آ رہی ہے۔ اس بارے میں حدیث میں الزكوة ، أَذَكِّيهِمَا ، فذَكَّيتُهُمَا (ذ سے، بمعنی ذبح کرنا) کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں: جیسا کہ ألا إن الذكوة في الحلق واللّبة "ذبح حلق

---

(۱) [طبِ نبویؐ اور جدید سائنس از ڈاکٹر خالد غزنوی : جلد ۲ ،صفحہ ۴۷۹]

(۲) [مقاييس اللغة بحواله مترادفات القرآن از مولانا عبد الرحمن کیلانی ص ۵۲۷]

اور حجرہ پر ہے" (دار قطنی، عن ابی ہریرہ/ابن ماجہ عن محمد بن صفوان، کتاب الصید) ذبح کے لئے اس مادہ کا استعمال بڑا ذو معنی ہے۔

(ج) جب جانور کے جسم میں ابھی کافی جان باقی ہوتی ہے کہ اس کے حرام مغز کو کاٹ کر دل ودماغ کو صدمہ اور پورے جسم کو ایک جھٹکا دیا جاتا ہے۔ اس سے جسم میں کیا ہلاکت آفرینیاں ہوتی ہیں، ان میں سے بیشتر کا تعلق ہسٹامین، ایڈرینالین سے بڑھ کر Cerebro-Spinal Fluid (CSF) (دماغی نخاعی سیال) کے خارج ہونے سے ہے۔ یہی دماغی موت (Brain Death) ہے یعنی وہ حالات جن میں دماغ کے کلیدی اجزا بالخصوص (Brain Stem) کام کرنا چھوڑ دیں۔ تعین موت کا یہی سب سے زیادہ با اعتماد اور جدید طریقہ ہے جبکہ سابقہ معیار تعین موت (سانس، نبض اور حرکت قلب وغیرہ کا بند ہو جانا) اب حتمی نہیں رہے۔

(The Penguin Dictionary of Psychology, by Arthur S. Reber, Ed.1985, P. 101)

جب بھی مندرجہ بالا CSF خارج ہوتا ہے تو دماغی موت واقع ہو جاتی ہے۔ گردن مروڑنے سے، پھر منکا توڑنے سے، پھر CSF خارج ہونے سے سخت صدمات سے، ہسٹامین کا اخراج ہوتا ہے اور جھٹکے کے ساتھ دماغی موت کا پہلا مرحلہ واقع ہو جاتا ہے جبکہ حرام مغز کی بتی کاٹنے سے آخری جھٹکا اور دماغی موت مکمل ہو جاتی ہے۔

سائنسی پس منظر:

سائنسی طور پر جب بھی کوئی شخص یا جانور کسی دہشت ناک منظر کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جائے یا دل ودماغ کو کسی بھی طرح سے کوئی دہشت پہنچائی جائے، کوئی ضرب، چوٹ (پنجابی میں "گجھی سٹ") (Blunt Injury or Contused wound) لگائی جائے، صدمہ پہنچایا جائے تو ان صورتوں میں کم وبیش کیفیات یہ ہوتی ہیں کہ دہشت اور درد کے مارے اس کا خون خشک ہو جاتا ہے...... نبض کمزور اور سست پڑ جاتی ہے اور مدہوشی طاری ہو جاتی ہے، پتلیاں پھیل جاتی ہیں۔[1] پھیپھڑوں، جگر، جلد میں موجود مادہ ہسٹامین فوراً خارج ہو کر خون میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس زہریلے مادّے سے خون کی نالیوں کا قطر بڑھ جاتا ہے اور یہ پھیل جاتی ہیں (Vasodilation) جس سے خون کا دباؤ کم اور اخراج خون بہت ہی کم ہو جاتا ہے۔

---

(۱) [طب نبوی: خلاصہ ص ٤٨٥]

(Blacks Veterinary Dictionary p 364, Geoffrey P. West, 12th Ed. ELBS London)

ہسٹامین، ہیموگلوبن میں موجود ایک کیمیائی مادہ ہے جو کم مقدار میں بھی عضلات (گوشت) اور خون کی نالیوں پر گونا گوں برے اثرات ڈالتا ہے (A Pocket Medical Dictionary, Lois Oaks, London, P 206) ...... یہ ہسٹامین جسم کے رگ وریشہ میں کس حد تک پیدا ہوتی ہے اور اس کی مہک (Smell) سے بدن کا گوشت کس حد تک متاثر بلکہ زہر آلود ہو جاتا ہے، اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب جنگل میں کوئی شخص کسی درندے کو دیکھ کر دہشت کا شکار ہو جاتا ہے تو اس عمل سے پیدا ہونے والی ہسٹامین کو وہ درندہ شیر وغیرہ، بہت دور ہی سے سونگھ کر جان لیتا ہے کہ قریب ہی ایسا کوئی شکار (حیوان یا انسان) موجود ہے جو میری موجودگی سے دہشت زدہ ہو گیا ہے۔ وہ ہسٹامین کی 'خوشبو' کی سمت سفر کرتا ہوا شکار کو دبوچ لیتا ہے۔ حالانکہ ابتدا میں وہ شکار اس کے دائرۂ نگاہ میں نہیں ہوتا۔ (۱)

اسلام نے ان تمام کیفیات کا احاطہ کر دیا ہے جن میں ہسٹامین پیدا ہوتی اور جسم کو متاثر کرتی ہے۔ وہ تمام حالات جن میں مجروح ہونے کے بعد ہسٹامین پیدا ہوتی ہے گوشت کو بدذائقہ، بدرنگ اور مضر صحت بنا دیتے ہیں۔ جانوروں میں چوٹ کھانے یا خاص طور پر کند آلے سے مجروح ہونے کے بعد ہسٹامین کی پیدائش کی وجہ سے بلڈ پریشر گر جاتا ہے۔ گوشت کا رنگ گہرا سرخ ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید نے طبی زبان میں (Blunt Injuries) میں، زخمی ہونے والے جانوروں کا گوشت حرام قرار دے کر اپنے ماننے والوں کے لئے بیماریوں سے بچاؤ کا ایک اہم منصوبہ پیش کیا ہے۔ حرام جانوروں کی فہرست میں ان کیفیات کو دیکھ کر ہم کو بہت پہلے ہی احساس ہو جانا چاہئے تھا کہ ان تمام حالات میں ایک ایسی قدرِ مشترک ہے جو اس طرح زخمی ہونے والے جانوروں کے گوشت کو کھانے والوں کے لئے مضر صحت بنا دیتی ہے۔ ان جانوروں کو انسانی استعمال کے لئے نا قابل (Unfit) قرار دینا اسلام کا ایک اہم احسان ہے جو ٹھوس سائنسی حقیقت پر مبنی ہے۔ (۲)

چھری پھیرنے کے فوراً بعد گردن موڑنے / مروڑنے کے اس صدمہ وانقطاع حرام مغز سے خون کا ایک زہر (ہسٹامین) پورے بدن میں پھیل جانے، خون کی نالیاں پھیلنے سے خون کا دباؤ کم ہو جانے اور دماغ کا باقی سارے بدن سے رابطہ ختم ہو جانے سے فوراً ہی جانور کے ساکت و

---

(۱) [طب نبوی : ص ٤٨٦، ٤٨٧]

(۲) [طب نبوی اور جدید سائنس از ڈاکٹر خالد غزنوی ، خلاصہ ص ٤٨٧]

صامت ہو جانے پر بیشتر خون بہت زہریلا ہو کر اندر ہی رہ جاتا ہے۔ متذکرہ بالا گائے کے قریباً 25 کلو خون میں سے خارج ہو سکنے والے تقریباً 20 کلو خون کی بجائے قریباً 10 کلو ہی نکلتا ہے۔ باقی خون اور اس کا زہر پورے بدن کے گوشت میں پھیل جاتا ہے۔ یہ گوشت شروع میں گہرا سرخ ہوتا ہے۔ موسم کے مطابق تین چار گھنٹوں میں سیاہی مائل ہو جاتا ہے، مخصوص بدبو دینے لگتا ہے، اچھی طرح گلتا ہے، نہ پورے طور پہ ہضم ہوتا ہے۔ پکاتے وقت عجیب قسم کی (خون جلنے کی) بدبو اور سڑانڈ بھی آتی ہے۔ یہ ساری سزا ﴿ ذَكَّيْتُمْ ﴾ کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے ہے۔

3- شرعی و روحانی حقائق / بصائر:

ایک سائنسی تجربہ میں ایک جانور کا جھٹکا کیا گیا جبکہ دوسرے کو شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا (اور جانور کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کے حرام مغز کی بتی نہیں کاٹی گئی) ساتھ ہی دونوں جانوروں کا خون لے کر اور ان دونوں نمونوں کا کیمیاوی تجزیہ کیا گیا۔ جھٹکے والے جانور کے معمولی بہنے والے خون میں کافی ہسٹامین (زہر) پائی گئی، نیز اس جانور کے بدن میں بھی کافی ہسٹامین والا خون پایا گیا جبکہ ذبیحہ والے جانور کا خون بہت زیادہ مقدار میں خارج ہوا جو کیمیاوی معائنہ میں تقریباً طبعی (نارمل) پایا گیا۔ جانور کے بدن میں برائے نام خون تھا جو کہ نارمل تھا۔

اسی طرح ایک دوسرے تجربے میں دو جانوروں کو ذبح کیا گیا ایک پر بسم الله، الله أكبر پڑھی گئی اور دوسرے پر نہیں پڑھی گئی۔ دونوں کے دل کا برقی معائنہ (ECG) ذبح کے وقت کیا گیا۔ تکبیر والے جانور کے دل کا معائنہ بتاتا تھا کہ وہ پوری شد و مد کے ساتھ حرکت کرتا رہا جبکہ دوسرے جانور کا ریکارڈ بے انتہا منتشر انداز کا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی مخلوق جانور بھی ذبح کے وقت اللہ کا نام لیے جانے سے اطمینان سے جان دیتے ہیں کہ وہ اپنے خالق کے طے کردہ نظام کے مطابق جان دے رہے ہیں جبکہ اس کے برعکس ان کی موت بھی بہت دکھ اور کرب کی موت ہوتی ہے۔

④ مذبح منیٰ کا واقعہ:

منیٰ (سعودی عرب) کا ذبیحہ خانہ پوری دنیا کا سب سے بڑا ذبیحہ خانہ ہے جس کا رقبہ پانچ لاکھ مربع فٹ ہے۔ (شہری لحاظ سے تقریباً 14 ایکڑ اور دیہی و زرعی لحاظ سے تقریباً ساڑھے گیارہ ایکڑ) جس میں روزانہ دو لاکھ مویشی ذبح کیے جا سکتے ہیں۔ ایک خبر کے مطابق ''بارہ کروڑ

ڈالر کی لاگت آنے والے اس ذبیحہ خانے میں دس ہزار کارکن کام کریں گے۔"(۱)

1990ء میں راقم کو اللہ تعالیٰ نے حج بیت اللہ کی سعادت بخشی تو منیٰ میں قربانیوں کی صورتِ حال کے معائنہ کا موقع بھی عطا فرمایا۔ گروپ کے باقی تمام افراد (جو بیشتر اَعزاء واَقارب ہی تھے) نے راقم کو اس کی پیشہ ورانہ تعلیم و تجربہ کے پیش نظر گروپ کا متفقہ نمائندہ بنا کر مذبح منیٰ میں بھیجا۔ وہاں جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہاں بھی متعدد قصاب حضرات پاکستانی ہیں اور ان میں بھی ابتدا میں ذکر کی گئی تکلیف دہ عادات ہی پائی جاتی ہیں کہ اسی طرح ہی فوراً گردن کاٹ کر اور منکا (Ligaments of Atlanto-axial Joint) توڑ کر جانور کا خون پورا نکلنے سے کافی دیر پہلے ہی اسے ساکت کر دیتے ہیں جس سے پاک کرنے کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ اس کا اثر قربانی کی حلت و حرمت تک جا پہنچتا ہے۔ چنانچہ راقم نے وہیں بیٹھے بیٹھے تین چار اَوراق میں منصوبہ گوشت قربانی (Sacrificial Meat Project) کے منتظم اعلیٰ جناب صدر اسلامی ترقیاتی بنک جدہ کے نام انگریزی میں ایک خط لکھ کر اس تکلیف دہ صورت حال کو شرعی اور طبی بنیادوں پر واضح کر کے یہ تحریر ان کے مقامی دفتر میں وصول کرائی جس کا جواب بھی انہوں نے جلد ہی شکریہ ادا کرتے ہوئے بھیجا۔ جس میں بیان کیا کہ "اس سلسلے میں آپ کی مشاہداتی رپورٹ ڈاکٹروں تک پہنچا دی جائے گی اور مجھے یقین ہے کہ وہ اس معاملے میں اس کے مطابق خیال رکھیں گے۔"

باوجود اس بات کے کہ وزارتِ حج، وزارتِ انصاف اور افتاء و دعوہ کے علماء پر مشتمل کمیٹی اور ان کے ساتھ سعودی عرب کی جامعات میں شریعت کے کم و بیش سو (100) طلباء یہاں کے تین ذبیحہ خانوں میں ذبح کے عمل کی نگرانی کرنے اور اس سلسلے میں شریعت کے تمام اصول و قوانین پر عملدرآمد کی یقین دہانی مؤثر بنانے کے لئے پہلے ہی سے تعینات ہیں، اس بارے میں مطلوبہ اہتمام نہیں کیا جاتا۔ راقم الحروف اس امر پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ انہوں نے میری سفارشات کو نہ صرف سنجیدگی سے لیا بلکہ اس کے مطابق آئندہ توجہ کرنے کی یقین دہانی بھی اپنے باضابطہ خط میں کرائی جس کی اصل راقم کے پاس محفوظ ہے۔

اس امر کے نظر انداز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قربانی کو ذبح کرنے میں دو مختلف میدانوں کا معاملہ درپیش ہے۔ جب تک کوئی شخص شریعت کا ماہر اور خوفِ الٰہی رکھنے کے ساتھ ساتھ طب اور

---

(۱) [روزنامہ "نوائے وقت" ۱۲/ مارچ ۲۰۰۰ء]

طبِ حیوانی کا ماہر نہ ہو، اسے یہ سمجھنے میں مشکل پیش آ سکتی ہے کہ قصابوں کے کون کون سے داؤ پیچ ہیں۔ کس عمل میں وہ کس حد تک حق بجانب ہیں یا صرف پیشہ ورانہ مہارت کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ان کے کس کس لاشعوری عمل سے طبی و شرعی لحاظ سے قربانی کے جانور پر کیا کیا آفات بیت جاتی ہیں۔ اسی طرح قصاب حضرات اور ان کے نگران وٹرنری ڈاکٹروں کو بھی جب تک اللہ کا خوف نہ ہوگا، وہ یہ بات علماءِ شریعت سے آخر کیوں پوچھیں گے کہ اس اس عمل سے قربانی کا عمل شرعاً کیا غلط تو نہیں ہو جاتا؟

۴ ذبح کرنے کے اسلامی طریقے کی اصل روح:

1- ذبح کرنے والے کو بوقت ذبح دراصل اس جذبہ قربانی کو یاد کرنا چاہئے جو قربانی کے سارے فلسفہ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنا سب کچھ حتیٰ کہ اپنی جان بھی اللہ کے راستے میں مسنون طریقہ کے مطابق لٹا دینے کا جذبہ ہی اس کی اصل روح ہے۔ جس کے بغیر قربانی ایک کارِ عبث ہے۔ اسی طرح جانور کو ذبح کرتے وقت اپنی موت کو بھی یاد کرنا چاہئے نیز یہ کہ یہ جانور بھی جاندار ہونے کے لحاظ سے بالکل ہماری طرح ہیں اور تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ حیاتیاتی عوارض رمراحل ہماری طرح ان پر بھی بیتتے ہیں۔ اے اللہ! ہم تیرے بندے ہیں۔ ہمارا اور اس قربانی کے جانور کا مالک، خالق و ربّ تو ہی ہے۔ تیرے ہی حکم پر تیری رضا جوئی کے لئے، تیرے راستے میں مسنون طریقہ سے اور تیرے نام سے اپنی عزیز چیز کی قربانی پیش کر رہے ہیں۔ (جہاد و قتال کا) وقت آنے پر ہم اپنی اور اپنے اہل خانہ کی بھی قربانی دینے کو تیار ہیں۔ اے رانہیں تو ہی قبول فرمانے والا اور ہمیں اجر و ثواب سے نوازنے والا ہے۔

ہمارے قصاب بھائی جنہیں پیشہ ورانہ فرائض کے طور پر بہت زیادہ ذبیحے کرتے رہنا پڑتا ہے۔ مرغی ہو چاہے گائے' اونٹ اگر وہ بھی اسی جذبے سے ذبح کرتے رہیں تو نہ صرف انہیں ہر درجہ ثواب ملتا رہے گا' تقرب الی اللہ حاصل ہوتا رہے گا بلکہ موت یاد رہنے کی وجہ سے بھی ان کا دل بہت نرم رہے گا اور انسانی معاملات میں شقاوت کے سے افعال سے بچنا ان کے لئے بہت ہی آسان ہو جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اور زمین میں کوئی چوپایہ نہیں اور کوئی پرندہ اپنے پروں سے نہیں اڑتا مگر یہ تمہارے جیسے ہی مخلوق (اُمتیں) ہیں۔'' [سورة الانعام : ۳۸] یہ تو اللہ کی بے پایاں رحمت ہے کہ اس نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا اور ان حلال جانوروں کو ہمارے قبضہ و کنٹرول میں دے دیا تا کہ ہم بحکم الٰہی ربوقتِ ضرورت مسنون طریقہ سے ذبح کر کے انہیں

اپنی خوراک بنا سکیں اور ہم انہیں اپنی خوراک بناتے بھی رہتے ہیں۔ ایک دن تو بہر حال ہمیں بھی مرنا ہے ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ﴾ بلکہ بستر مرگ پر موت تو بہر حال اس سے زیادہ تکلیف دہ ہی ہوگی کیونکہ سب سے کم تکلیف والی موت انسان کے لئے میدانِ جنگ میں شہادت ہی کی موت ہے جب وہ اپنی عزیز جان کو اپنے خالق حقیقی کے حضور پیش کر دیتا ہے۔

(5) چند اعتراضات اور ان کے جوابات:

اعتراض: قصاب بھائیوں سے جب یہ پوچھا جاتا ہے کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ جی، اس طرح جانور جلدی ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اس سے تو جانور کو زیادہ رحمدلانہ طریقے سے ذبح کرنے کا تاثر ملتا ہے...... ان کی بات میں بڑا وزن معلوم ہوتا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ انہیں ہم عید قربان کے موقع پر اپنے جانور ذبح نہ کرنے دیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنی مخلوق سے رحم کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ وہ تو کسی ماں سے بھی زیادہ رحیم ہے۔ شروع میں بیان کردہ حدیث ''چھری کو اچھی طرح تیز کرو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ'' کے مطابق اصل رحم تو یہ ہے کہ جانور کو چابک دستی کے ساتھ، آناً فاناً، اچانک جرأت مندی کی کاٹ کے ساتھ (with a Single Bold Incision) ذبح کیا جائے۔ رہی بات ان کی منطق کی تو وہ محض لاعلمی میں یا عادتاً ایسا کرتے ہیں۔ اس کی ساری خرابیاں ہسٹامین کے حوالے سے پہلے واضح کی جا چکی ہیں۔ نیز یہ کہ بدن میں رکا ہوا یہ خون بھی گوشت کے بھاؤ بک جائے اور عید الاضحیٰ کے موقع پر کم وقت میں زیادہ جانور 'ذبح' کر کے زیادہ 'اچھی دیہاڑی' بنانے کا معاملہ بھی ہوتا ہے۔

قصاب حضرات (اور گجر بھائی) ہمارے معاشرے کی بڑی اہم برادری ہیں، ذبح کے بعد کھال اتارنے اور گوشت بنانے میں ان کی خدمات حاصل کی جا سکتی ہیں جبکہ ہمارا دین ہم سے جانور کو اپنے ہاتھوں ذبح کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ قربانی کے جانور کو ذبح خود ہی کرنا ہمارا اہم دینی فریضہ ہے۔ قرآن کریم کی سب سے چھوٹی سورہ کے سب سے کم الفاظ کے باوجود اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم 'وَانْحَرْ' (قربانی کرو) موجود ہے۔ نبی ﷺ نے اس کی تعمیل میں 62 سال کی کبر سنی میں بھی 63 اونٹ خود اپنے دستِ مبارک سے ذبح کیے، بقایا 37 کے نحر کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ کتنا بڑا اسلامی فریضہ ہے۔ 10 ذی الحجہ کو اللہ کے راستے میں قربانی کے جانور کا خون بہانے سے زیادہ ثواب کسی بھی اور کام کا نہیں۔ بڑے بڑے دین دار

لوگ اسے خالصتاً دنیا دارانہ، بے رحمانہ کام سمجھتے ہوئے یا عید کے کپڑوں کی شان وشوکت خراب ہونے کے اندیشے سے ذبح کرنے سے اجتناب کرتے رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب یہ کام دینی ہدایات سے واقف اہل علم کی بجائے اَن پڑھ لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ راقم کا اپنا ایک چشم دید واقعہ ہے کہ لاہور کے مضافاتی ایک سلفی مدرسے کے زیر انتظام قصاب حضرات کافی انتظار کے بعد دوپہر کو آئے، ان کے انچارج صاحب ایک بنیان پہنے جس پر کارٹون سے بنے تھے، گلے میں لاکٹ لٹکائے، فلمی ہیرو کی شکل بنائے ہوئے نحر کرنے آگے بڑھے۔ ایک ساتھی نے اونٹ کی رسّی سے اس کا سر تانے رکھا، اگلی دونوں ٹانگیں پہلے ہی باندھی ہوئی تھیں پھر انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایک ہی ہلے میں گردن کے آغاز درمیان اور اوپر تین زخم لگائے اور واپس آ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ رقص کرنے لگے کہ میں نے اکیلے ہی اور ایک ہی ہلے میں اونٹ نحر کر لیا ہے..... قربانی ایسا دینی عمل صرف ایک دنیاوی تماشا بن کر رہ گیا ہے۔ پس اپنی قربانی کو حتی الوسع خود ذبح کرنا چاہیے۔ لیکن مسنون طریقے کے مطابق۔

اعتراض: ذبیحہ کا معاملہ تو واقعی بہت اہم ہے۔ حلال اور صحت مند گوشت کی فراہمی شریعت کے علاوہ روزمرہ صحت انسانی کا مسئلہ بھی ہے۔ مگر ذبیحہ خانے میں ہم تو نہیں جا سکتے۔ یہ معاملہ ہم کیسے کنٹرول کریں۔ تکبیر کے ساتھ صحیح ذبیحہ حاصل کرنے کے لئے ہم یہ احتیاط کیسے کریں؟

جواب: اپنا دنیاوی و دینی اثر ورسوخ استعمال کریں۔ اچھے ذہن کے وٹرنری ڈاکٹروں سے رابطہ رکھیں۔ ان کی تنظیم میں شامل ہوں یا انہیں کسی تنظیم میں انتظامی عہدے کی سطح پر شامل رکھیں۔ ان کے ذریعے صحیح مسنون شکل میں ذبیحہ کا گوشت استعمال کریں۔ گوشت کو بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کریں، یہ نیت کرتے ہوئے کہ ''اے اللہ تعالیٰ! اس کھائی جانے والی چیز مثلاً گوشت میں جو جو طبی آفات (جراثیمی، طفیلیاتی، مرضاتی، گردوغبار کی آلودگیاں یا کیمیاوی زہر، تابکاری وغیرہ) یا روحانی آفات (جیسے جادو، ذبح لغیر اللہ وغیرہ) پوشیدہ ہیں تو ہی ان کو جاننے والا ہے، میں تیری ہی پناہ میں آتا / آتی ہوں۔ تو ہی مجھے ان سے محفوظ رکھ سکتا ہے اس لئے کہ کسی مخلوق کا علم ان سب کا اس انداز میں احاطہ کر ہی نہیں سکتا، تو مجھے ان سب سے محفوظ رکھ۔'' اور جو بات اپنے بس اور طاقت سے باہر ہے، اللہ تعالیٰ وہ معاف فرمائے گا، اس پر کوئی پکڑ نہیں ہوگی..... اِن شاء اللہ۔

اعتراض: ہم مسلمانوں کے ذبیحہ کی مندرجہ بالا صورتحال تو واقعتاً ہوش ربا ہے مگر قرآن کریم کے مطابق تو یہودیوں کا بھی ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَٰبَ حِلٌّ

لُکُمْ ﴾ پھر آخر اس حد تک تفاوت کی کیا وجہ ہے؟

جواب: یہودیوں کو سنتِ ابراہیمی کے مطابق جو تعلیمات دی گئی ہیں، وہ ہماری شریعت سے زیادہ سخت ہیں۔ کئی باتیں ایسی ہیں کہ جو ہم اپنے لئے مستحب اور افضل سمجھتے ہیں ان کے لیے وہ فرض تھیں۔ یعنی ان کو ملحوظ نہ رکھنے پر ان کا ذبیحہ حرام ہو جاتا تھا، مثلاً:

1- ذبح کرنے والا شخص عالم دین ہو، اس نے ذبح کرنے کی با قاعدہ تربیت حاصل کی ہو۔ ایسے عالم کو وہ (Sohet) کہتے ہیں۔

2- ذبح کرنے والی چھری کی دھار اُسترے کی مانند تیز ہو، اس پر دندانے نہ ہوں۔ اتنی تیز ہو کہ ایک ہی مرتبہ ایک ہی سمت میں چلائی جائے (اور ذبح کا عمل مکمل ہو جائے)۔ اس عمل میں نہ تو زیادہ زور لگایا جائے اور نہ چھری کو بار بار چلایا جائے۔ اگر جانور کی رگیں ایک ہی حرکت (Only One Bold Incision) سے نہ کٹ سکیں تو گوشت حرام ہو جائے گا۔

3- جانور کے ذبح کے بعد معائنہ کر کے دیکھا جائے کہ وہ صحیح طریقے سے ذبح کیا گیا ہے۔ اس کی ٹانگ کے ساتھ ایک سرٹیفکیٹ بصورتِ ٹیگ لگایا جائے۔ جس پر عبرانی زبان میں ''کھانے کے لئے پاک کر دیا گیا'' کے علاوہ ڈرائنگ کی شکل میں ایک مارکہ اور ذبح کرنے والا کا نام، تاریخ اور جگہ مرقوم ہوتی ہے...... ایسٹ اینڈ (لندن) میں وسیع کاروبار والے عبد اللہ نامی یہودی قصاب سے ایک مرتبہ مرغی خریدنے کا اتفاق ہوا تو اس کی ٹانگ کے ساتھ ذبیحہ کی درستگی کے متعلق ذبح کرنے والے کی تصدیق کا ٹیگ منسلک تھا۔

4- ذبح کرنے کے بعد جانور کو نمک لگایا جائے تاکہ جانور کے جسم سے باقی کا بھی رہا سہا سارا خون باہر نکل آئے۔ (۱)

ہمارے ہاں علماءِ کرام اوّل تو جانور خود ذبح ہی نہیں کرتے' قصاب پر ہی سارا معاملہ چھوڑ دیتے ہیں۔ دوم جو کرتے ہیں تو صحیح مقام اور صحیح انداز سے ذبح کرنے کے تربیت یافتہ نہیں ہوتے۔ چھری کے استعمال کے بارے میں بھی عوام میں انتہا پائی جاتی ہے، کبھی تو اتنی تیز ہوتی ہے کہ ایک ہی جھٹکے میں مرغی کی گردن تلوار کی طرح ساتھ ہی کاٹ کر پھینک دی اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عید قربان کے موقع پر کند چھری سے ہی ذبح کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ راقم ایک دفعہ قریبی دکان سے مرغی کا گوشت لینے گیا، دوکاندار نے مرغی ذبح کر کے ڈرم میں پھینک دی، ڈرم

(۱) [طب نبوی' باب: یہودیوں میں جانوروں کا ذبیحہ، خلاصہ صفحہ ۴۹۶]

میں کچھ دیر تک مرغی کے پھڑ پھڑانے رپھڑ کنے کی آواز نہ آئی تو راقم نے آگے ہو کر ڈرم میں جھانکا، اُف میرے اللہ! وہاں یہ تکلیف دہ منظر دکھائی دیا کہ مرغی ڈرم میں کھڑی تھی، اس کی گردن سے قطرہ قطرہ خون نکل رہا تھا، اگر ڈرم نہ ہوتا تو وہ بھاگ جاتی، گویا کہ اسے مرغ بسمل کی طرح صرف تکلیف سہنے کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ توجہ دلانے پر دکاندار نے مرغی کو ڈرم سے نکالا، دوبارہ چھری پھیری، تو وہ معصوم بے زبان جان دے سکی۔[انا للّٰه وانا الیه راجعون !]

چھری، چاقو اور نشتر ایک ہی سمت میں چلانے سے تکلیف کم ہونے کی حقیقت سرجن اور وہ مریض جنہوں نے کبھی جراحتِ صغیرہ کرائی ہو، جان سکتے ہیں۔ ڈاکٹری میں نشتر پیچھے کی طرف نہیں چلایا جاتا۔

ماحصل:

1- تقرب الی اللہ کے جذبہ سے مسنون طریقے سے تکبیر پڑھتے ہوئے چھری پھیرنے کے فوراً بعد جانور کے طبعاً ٹھنڈا ہو جانے تک اس کی گردن موڑ مروڑ کر منکا ہرگز نہیں توڑنا چاہیے اور (چھری کی نوک وغیرہ سے) حرام مغز کی بتی ہرگز ہرگز نہیں کاٹنی چاہیے۔ اس کے لئے مینڈھے، بکرے، گائے کے طبعاً ٹھنڈا ہونے میں اندازاً 2 سے 5 منٹ تک صبر سے انتظار کرنا نہایت ضروری ہے۔

2- انتظار کے ان چند منٹوں میں اپنی موت کو بھی یاد کرنا چاہیے۔ تقرب الی اللہ کے جذبہ کو خالص سے خالص تر اور لوجہ اللہ تازہ کرنا اور رکھنا چاہیے جیسا کہ مضمون کے چوتھے حصے (اصل روح) میں ذکر ہوا ہے۔

3- جانور کے جسم سے حتی الوسع تمام خون نکل جانے، اس کے بے حس و حرکت ہو جانے سے جان مکمل طور پر نکل جانے (جسے پاؤں کی ٹھوکر یا جانور کے بدن کو جھنجھوڑنے سے چیک کیا جا سکتا ہے) کے بعد ہی کھال اُتارنا شروع کرنا چاہیے۔ اس عمل کے آخر میں گردن کو موڑا بلکہ الگ بھی کیا جائے گا...... یہی اس مضمون کی بڑی وجہِ تالیف ہے۔

ہم سبھی کو چاہئے کہ ہم تقویٰ اور خوفِ الٰہی کو اپنا مستقل شعار بنائیں۔ اس خصوصی التزام کے ساتھ علمائے شریعت اور علمائے طب حیوانی اور صحت انسانی سے اس بارے میں خصوصا رہنمائی اور مخلصانہ مشورہ کا ہمیں انتظار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُسوۂ حسنہ کے مطابق ذبح کا عمل انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!



لفظ بہ لفظ اور بامحاورہ آسان اردو ترجمہ قرآن اور مستند کتب تفسیر سے ماخوذ ضروری حواشی
تفہیمُ الفُرقان
مترجم حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ
قرآن کریم وہ واحد کتاب ہے جو تا قیامت انسانیت کے لئے ذریعہ ہدایت ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ اس کے معانی و مطالب کو سمجھا جائے۔ قرآن فہمی کے لئے ترجمہ قرآن اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مختلف زبانوں میں قرآن کے بے شمار تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں سے ایک اہم زبان اردو بھی ہے جس میں سیکڑوں مکمل اور ہزار کے قریب نامکمل تراجم منظر عام پر آ چکے ہیں۔
البتہ عربی زبان و ادب اور دینی تعلیم سے لاعلمی کے سبب اکثر اوقات اردو خواں طبقہ بھی محض ترجمہ قرآن سے پورا مفہوم اور مراد الٰہی سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ اس لئے ضرورت اس چیز کی تھی کہ ترجمہ قرآن کے ساتھ ساتھ بریکٹوں یا مختصر حواشی کی مدد سے ان مقامات کی توضیح کر دی جائے جہاں صرف ترجمہ سے بات پوری طرح سے سمجھ میں نہیں آتی۔
پیش نظر ترجمہ قرآن "تفہیم الفرقان" میں پہلی بار اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
ترجمہ کرتے ہوئے عربی الفاظ کے قریب تر اردو الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ترجمے میں عربی زبان کے اصول و قواعد کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مشکل الفاظ کے بجائے سادہ اور آسان الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ترجمہ و حواشی میں مشکل مقامات پر معتبر تفاسیر و تراجم استفادہ کیا گیا ہے۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو قبول فرمائے اور اسے عامۃ المسلمین کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)
Rs: 750/-
آرٹ پیپر
Page: 1104
مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی
ریحان مارکیٹ ڈھوبیا املی روڈ، صدر چوک مئوناتھ بھنجن
P: 0547-2222013 - 9236761926
Email: faheembooks@gmail.com

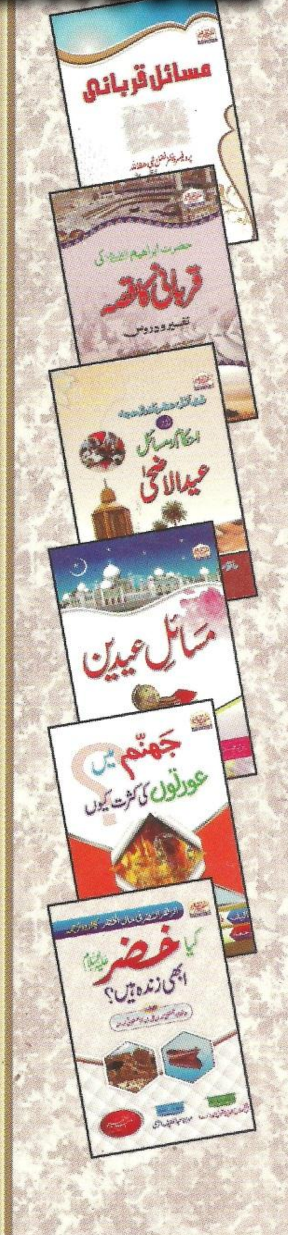

مختلف ادوار میں مختلف کتب حدیث مرتب کی گئیں مگر مؤطا کو سلسلہ تدوین حدیث میں اولین کتاب
ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔اس کتاب کے مرتب امام مالکؒ ہیں۔جن کا مکمل نام ''مالک بن انس بن عامر
بن مالک'' ہے۔پہلی مرتبہ ذخیرۂ احادیث کو فقہی انداز میں مرتب کرنے کی سعادت آپ ہی کے حصے میں
آئی، جو مؤطا کی صورت میں آج ہمارے ہاتھوں میں ہے۔
مؤطا کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ امام مالکؒ نے اس میں صرف صحیح احادیث کو ہی نقل کرنے کی سعی جمیل
فرمائی ہے۔جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے اس پر محدثین کا اتفاق نقل فرمایا ہے۔اس کی اسی اہمیت کے باعث ہر دور
میں اکابر امت نے اپنے اپنے حلقہ ہائے تدریس میں اس سے استفادہ کیا اور مختلف ادوار میں مختلف دولِ
اسلامیہ میں اس کی شروحات وتعلیقات بھی تحریر کی گئیں۔
مؤطا اور اس کی شروحات چونکہ عربی میں تھیں اس لئے اردو داں طبقہ کو اس سے استفادہ کرنے میں
مشکلات پیش آئیں تو علامہ وحید الزماںؒ نے شب وروز کی محنت سے نہ صرف اسے اردو قالب میں ڈھالا بلکہ
ساتھ ہی ساتھ مختصر حواشی بھی قلمبند فرمادیئے۔گو یا اپنے وقت کا معرکۃ الآراء کام
تھا مگر چونکہ روشنی حاصل کرنے کے لئے چراغ میں مسلسل تیل مہیا کرنے کی
ضرورت ہوتی ہے اس لئے ضرورت اس امر کی بھی کہ مؤطا کے اس ترجمہ وحواشی کو
بھی جدید تقاضوں سے ہم آہنگ اور احادیث کو جدید اسلوب تخریج سے آراستہ
کیا جائے تا کہ تشنگان علم کی تشفی وتسکین کا مزید سامان فراہم ہو سکے۔
الحمدللہ ہندوستان میں ''مکتبہ الفہیم مئو'' علم حدیث کے اس بیش قیمت
سرمائے کو اپنے روایتی طباعتی معیار کے مطابق پیش کرنے کی سعادت حاصل
کر رہا ہے۔مؤطا کے اس نسخے میں حسب امکان احادیث کی تخریج میں مزید
اضافہ کر دیا گیا ہے۔احادیث مؤطا کے اطراف کی فہرست تیار کی گئی ہے تا کہ کسی
بھی حدیث کی تلاش میں آسانی رہے۔
متعدد مقامات پر علامہ البانیؒ اور دیگر کبار محققین کی تحقیق نقل کی گئی ہے۔
تخریج کے سلسلہ میں معیاری نمبرنگ کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور جہاں کہیں
ضرورت تھی وہاں اس کے ترجمہ وحواشی کو
بھی درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
تدوین حدیث کی پہلی کتاب
مؤطا
امام مالکؒ
تحقیق وتخریج
احمد علی سلیمان مصری
فوائد وترجمہ
علامہ وحید الزماں
تالیف: امام مالک بن انسؓ
Rs:600/=
Page: 992
تخریج وتسہیل حافظ عمران ایوب لاہوری

اسلام مکمل ضابطہ حیات ہونے کی وجہ سے ہر گوشۂ زندگی میں ہماری کامیاب رہنمائی کرتا ہے۔ مگر ہمیں دنیاوی معاملات کا تو بہت علم ہے لیکن اسلام کی ابجد سے بھی ہم واقف نہیں، عیدین یا قربانی کے مسائل ہی لے لیجئے۔ ہمیں اتنا تو علم ہے کہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ دو خوشی کے دن ہیں، ان میں مختلف قسم کے پکوان تیار کرنا، رشتہ دار، دوست واحباب سے ملاقات کرنا، سنیما ہالز کو آباد کرنا، اور کرکٹ کھیلنا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ علم نہیں کہ عیدین کی نماز بھی ادا کرنی ہے یا نہیں، اگر نماز عید رہ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اسے ادا کرنے کا سنت طریقہ کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح قربانی کے متعلق ہمیں اتنا تو علم ہے کہ قربانی کیلئے جانور خریدنا ہے لیکن یہ قبول نہیں کہ قربانی کیلئے کیسا جانور ذبح کرنا چاہئے، کن جانوروں کی قربانی قبول نہیں ہوتی اور قربانی کی کیا شرائط ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ نیز اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اولاد جیسی بے مثال نعمت سے نوازے تو ہمیں سالگرہ کرنا تو ہر سال یاد ہوتا ہے لیکن پیدائش کے ساتویں روز نومولود بچے کا عقیقہ کرنا، اس کا سر منڈا کر بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنا ہمیں یکسر یاد نہیں رہتا حالانکہ یہ سب افعال اسلام کا حصہ ہیں۔

اسی صورتحال کے پیش نظر راقم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ اس قسم کے وہ چند مسائل جن سے ہر مسلمان کو واسطہ پڑتا ہے یکجا کر دیئے جائیں۔ یہ کتاب اسی کاوش کی آئینہ دار ہے۔

اس کتاب میں مسائل کے استنباط کے لئے صرف صحیح احادیث کو مدنظر رکھا گیا ہے، ہر حدیث کے بعد اس کا حوالہ بھی درج کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دیگر کتب کی احادیث کے متعلق صحیح یا ضعیف ہونے کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ مسائل میں تائید کی غرض سے مختلف قدیم و جدید اور عرب وعجم کے فقہا و مفتیان کے فتاویٰ بھی نقل کئے گئے ہیں۔ اردو عبارت نہایت سلیس اور آسان رکھی گئی ہے تاکہ قارئین کو مسائل سمجھنے میں آسانی رہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو مسلمانوں کی اصلاح و فلاح کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)





MAKTABA AL-FAHEEM
Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email :faheembooks@gmail.com
Facebook: Maktabaalfaheem

